خطبات
شبِ معراج و شبِ برأت

افادات

فقیہِ عصر مفسرِ قرآن شیخِ طریقت

حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و بانی

جامعہ احیاء العلوم و دار العلوم شکاگو و امیر رحمتِ عالم فاؤنڈیشن

ناشر: رحمتِ عالم فاؤنڈیشن امریکہ

خطباتِ شبِ معراج وشبِ برأت

مدلّل ومحقّق علمی اور اصلاحی خطبات

از: مفسر قرآن فقیہ عصر شیخِ طریقت حضرت مفتی شاہ محمد نوال الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وبانی احیاء العلوم یوسف نگر ٹپہ چبوترہ حیدرآباد ورحمت عالم فاؤنڈیشن امریکہ

مرتب: مفتی محمد عطاء الرحمٰن ساجد قاسمی

ناشر: رحمتِ عالم فاؤنڈیشن امریکہ

تفصیلاتِ کتاب

نام : خطباتِ شب معراج وشب برأت

افادات : حضرت مولانا مفتی شاہ محمد نوال الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

مرتب : مفتی محمد عطاء الرحمٰن ساجد قاسمی

ناشر : شریعہ بورڈ آف امریکہ زیرِ انتظام رحمت عالم فاؤنڈیشن

ملنے کے پتے

شریعہ بورڈ آف انڈیا، شاستری پورم، حیدر آباد +91703-210-0200

رحمتِ عالم فاؤنڈیشن شکاگو امریکہ +1773-764-8274

7045 N Western Chicago Il 60645

info@rahmatealam.org / ataurrahmansajid@rahmatealam.org

فہرستِ عناوین

- کلماتِ بابرکات ۷
- عرضِ مرتب ۹
- واقعۂ معراج ۱۰
- واقعۂ معراج کب پیش آیا؟ ۱۰
- واقعۂ معراج کتنی مرتبہ پیش آیا ۱۱
- اسراء اور معراج کسے کہتے ہیں؟ ۱۲
- آغازِ سفر ۱۳
- شق صدر اور اس کی حکمتیں ۱۴
- براق ۱۷
- معراج مستقبل میں قدم رکھنا ہے ۱۸
- مضامین کے تکرار سے اکتاہٹ کیوں؟ ۱۹
- محبت مذاکرہ کو چاہتی ہے ۱۹
- محبت رسول ﷺ کی فضیلت ۲۰
- نئی نسل کی اہم ضرورت ۲۱
- تکرارِ مضامین سے اکتاہٹ روح کی خرابی کی علامت ہے ۲۲
- حضور نے اعمال کے نتائج اور باطن کو دیکھا ہے ۲۴
- معراج کا مقصد ۲۷

- روحانیت کے دو مرکز ۳۱
- کیا واقعۂ معراج روحانی تھا؟ ۳۲
- واقعۂ معراج زمان و مکان کے تناظر میں ۳۴
- یہودیت، نصرانیت اور دنیا کی پکار ۴۱
- نبی کریم ﷺ کا فیضانِ خاص ۴۲
- یہودیت کی بنیادی گمراہی ۴۳
- عیسائیت کی بنیادی گمراہی ۴۴
- یہودی بدتر ہیں یا عیسائی ۴۵
- مال پرستی یہودیت اور حسن پرستی عیسائیت ہے ۴۶
- قربِ قیامت عورت اور مال لوگوں کا قبلہ ہوں گے ۴۶
- ناحق یتیموں کا مال کھانے والوں کی سزا ۴۸
- بے نمازی کی سزا ۴۹
- نماز چھوڑنا دماغی بیماری ہے ۴۹
- حقوق میں کوتاہی کا انجام ۵۱
- غیبت اور ہتکِ عزت کرنے والوں کی سزا ۵۲
- چغل خوروں کا انجام ۵۲
- زکوۃ نہ دینے والوں کا انجام ۵۲
- اجنبی مرد اور عورتوں کے پاس جانے والوں کی سزا ۵۳
- راہِ حق سے روکنے والوں کی سزا ۵۳
- بے عمل واعظ اور خطیبوں کی سزا ۵۳

- سود خوروں کی سزا ۵۴
- بڑے بول بولنے والوں کی سزا ۵۴
- مجاہدین کا ثواب ۵۵
- فرعون کی بیٹی کی مشاطہ کا واقعہ ۵۵
- گہوارہ میں بات کرنے والے چار بچے ۵۶
- جنت کی صدا ۵۷
- جہنم کی صدا ۵۷
- حضور ﷺ کی ضیافت ۵۸
- امامت کا واقعہ کب پیش آیا؟ ۵۸
- آسمانوں پر انبیاء سے ملاقاتیں ۵۹
- انبیاء سے ملاقات کی ترتیب ۶۰
- حضرت ابراہیم کا امت محمدیہ کو پیغام ۶۱
- قیامت کے بارے میں انبیاء کا لاعلمی ظاہر کرنا ۶۲
- سدرۃ المنتہیٰ اور وہاں کی کیفیات ۶۳
- انعاماتِ معراج ۶۴
- حضرت موسیٰ کی نمازوں میں تخفیف کی درخواست ۶۵
- معراج کے مناظر خطا اور غلطی سے پاک ہیں ۶۶
- رؤیتِ باری کا مسئلہ ۶۷
- علامہ قرطبی اور ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہما کا احتیاطی پہلو ۷۰

شب برأت

- تین بابرکت راتیں ۷۲
- چودہ شعبان سال کا آخری دن ہے ۷۴
- پندرہ شعبان کے روزہ کی حکمت ۷۴
- احکامِ تکوینیہ کی رات ۷۴
- شب برأت اسلامی سال کا آغاز ہے ۷۵
- شبِ برأت کے بارے میں راہِ اعتدال اپنائیں ۷۶
- شب برأت کے تین کام ۷۷
- سورۂ دخان میں لیلۂ مبارکہ سے کونسی رات مراد ہے؟ ۷۸
- کیا احادیث ضعیفہ قابل استدلال نہیں؟ ۸۱
- شب برأت کے بارے میں روای صحابہ کے نام اور تعداد ۸۳
- شبِ برأت میں اہل مکہ کا عمل ۸۴
- شب برات میں حق تعالیٰ کا آسمان دنیا پر نزول فرمانا ۸۴
- شبِ برأت میں دربارِ شاہی سے اعلان ۸۵
- شبِ برأت اور مغفرت ۸۵
- صرف روزی نہیں بلکہ مغفرت طلب کریں ۸۸
- استغفار کی حقیقت ۸۸
- استغفار کے انعامات ۹۰
- قومِ سبا کی ہلاکت کا سبب ۹۰
- شب برأت اور رزق کی تقسیم ۹۳

- دعا کیوں مانگیں؟ ۹۴
- دعا سے تقدیر کے بدلنے کا کیا مطلب ہے؟ ۹۵
- پندرہ شعبان کے روزہ کا حکم ۹۷
- شبِ برأت میں قبرستان جاکر دعا کرنے کا حکم ۹۸
- شب برأت میں محروم رہنے والے آٹھ لوگ ۹۹
- بزرگان دین کے مجرب اعمال کی شرعی حیثیت ۱۰۴
- شب برأت اور صلاۃ الحاجۃ ۱۰۵
- مبارک راتوں میں اجتماعی عبادات کی شرعی حیثیت ۱۰۵
- مبارک راتوں میں بدعات ۱۰۶
- بدعت سنت کا مقابل ہے ۱۰۸
- بدعتی کی تعظیم اسلام کو منہدم کرنے کے مترادف ہے ۱۰۹
- ثابت اعمال کے درجوں کا لحاظ بھی ضروری ہے ۱۱۷

عرضِ مرتّب:

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین امابعد!

زیرِ نظر رسالہ میں شبِ برأت اور شبِ معراج سے متعلق والدِ گرامی مخدومی ومکرمی حضرت اقدس مفتی شاہ محمد نوال الرحمن صاحب مدظلہ کے متعدد افادات کو یکجا جمع کیا گیا ہے۔

افادہ واستفادہ میں سہولت اور دیگر مصالح کے پیشِ نظر افادات کی ترتیب سے متعلق چند باتیں قارئین کی خدمت میں پیش ہیں:

- قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ، واقعات و تفاسیر کی المکتبۃ الشاملۃ کی موافق للمطبوع کتب کے ذریعے حتی الامکان تخریج کی گئی۔
- نصوص کے عربی متن کو بھی نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا۔
- عربی عبارات پر اعراب کا اہتمام کیا گیا۔
- ربط وترتیب کا اہتمام کیا گیا۔
- تصحیحِ املاء کی بھی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔
- ممکنہ طور پر تحریری قالب میں ڈھالنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ان خطبات کا انداز خطابی بھی رہے، تاکہ قارئین ایک طرف حضرت والا کے خطابی انداز سے محظوظ ہوں تو دوسری طرف الہامی کلمات کی برکت سے بھی مستفید ہوں۔

- موضوع سے متعلق عوام کی استعداد کے مطابق مواد باقی رکھا گیا۔
- کہیں کہیں حضرت کے ایماء پر موضوع سے متعلق کچھ مواد کا اضافہ کیا گیا۔
- پہلی طباعت کے بعد بحکم حضرت سورۂ دخان کی تفسیر اور سندی حیثیت سے متعلق کلام میں کچھ تبدیلیاں بھی کی گئیں۔

اس موقع پر راقم الحروف شریعہ بورڈ آف امریکہ کے سبھی اعوان وانصار بالخصوص برادرِ مکرم مفتی محمد رضاء الرحمن عابد صاحب قاسمی ناظم شریعہ بورڈ آف امریکہ اور محترم جناب امجد شفیق صاحب کا بے حد ممنون ومشکور ہے کہ جنہوں نے اس کی طباعت میں قابلِ قدر تعاون کیا۔

ہر چند کہ اس بات کا لحاظ کیا گیا کہ یہ خطبات ہر طرح سے مرتب، مدلل اور مزین قارئین کی خدمت میں پیش کریں لیکن چونکہ یہ ایک بشری کاوش ہے، جس میں لغزش و خطا کا امکان بہر صورت باقی ہے، اس لئے اہل علم سے درخواست ہے کہ اگر اس میں کوئی بات قابلِ استفسار نظر آئے تو اس کو احقر کی کم علمی اور کوتاہی سمجھیں، اور اس کی نشاندہی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ پاک حضرت کا سایہ تادیر ہم پر قائم رکھے، اور حضرت کو صحت عطا فرمائے، اور حضرت کے ان خطبات کو عوام وخواص ہر دو کے لئے مفید بنا کر شرفِ قبولیت سے نوازے۔ (آمین)

مفتی محمد عطاء الرحمٰن ساجد قاسمی

استاد حدیث دار العلوم شکاگو وخادم دار الافتاء وشعبۂ نشریات شریعہ بورڈ آف امریکہ

واقعۂ معراج

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ ”سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ“ (الاسراء: ۱)

ترجمہ: ”وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو شب کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گئی، تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائباتِ قدرت دکھلاویں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں“

واقعۂ معراج کب پیش آیا؟

آج رجب کی ۲۶ تاریخ ہے، اب جو رات آئے گی وہ ۲۷ رجب کی ہوگی، اس رات کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ اس رات نبی علیہ السلام کے ساتھ واقعۂ معراج پیش آیا، اگر تحقیقی نظر سے ہم دیکھیں تو اس واقعہ کے سال، ماہ، ایام، تاریخ اور راتوں سے متعلق علماء کے مختلف اقوال اور روایات ملتی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں بارہ اقوال نقل کئے ہیں، اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے رجب کے مہینہ کو اور ابن فارس رحمۃ اللہ علیہ نے ذی الحجہ کو راجح قرار دیا ہے۔ تاریخ کے بارے میں علامہ سیوطی نے تین اقوال نقل کئے ہیں، ان میں سے ایک رجب کی ستائیسویں شب ہے جو لوگوں میں مشہور بھی ہے۔ (عمدۃ القاری: ۴/۳۹۔ فتح الباری: باب المعراج: ۱۱/۲۱۵۔ الاسراء والمعراج للسیوطی: ۱/۳۶)

رات کے بارے میں ہفتہ اور جمعہ کی شب کا ذکر ملتا ہے، لیکن علامہ ابنِ اثیر نے پیر کی شب کو مختار کہا ہے۔ (روح المعانی: ۱۰/۳۵۷)

سالوں کی تعین میں مشہور قول یہ ہے کہ بعثت اور نبوت کے پانچویں سال یا بعض علماء کے بقول ہجرت سے ایک سال قبل، یا تین سال قبل یہ واقعہ پیش آیا۔ روح المعانی: ۱۰/۳۵۷۔ ازمرتب)

واقعۂ معراج کتنی مرتبہ پیش آیا؟

واقعۂ معراج متعدد مرتبہ پیش آیا، کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اسراء دومرتبہ پیش آیا، ایک مرتبہ روح کے ساتھ خواب میں اور ایک مرتبہ جسم کے ساتھ بیداری میں، شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ آپ کو ۳۴ مرتبہ معراج کی سعادت حاصل ہوئی، ایک مرتبہ بیداری میں جسم کے ساتھ اور بقیہ مرتبہ روح کے ساتھ۔

قرآن میں جس اسراء اور معراج کا ذکر ہے وہ ایک ہی رات میں جسم اور روح کے ساتھ حالت بیداری میں پیش آیا۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ اختلاف در اصل روایات کے اختلاف کے سبب پیش آیا، کسی راوی نے کسی بات کا ذکر کیا، اور کسی نے اس کو ترک کیا، اور کسی نے مخالف اور متضاد بات روایت کی، جس کے

سبب کچھ علماء نے کہا کہ یہ واقعہ متعدد مرتبہ پیش آیا، لیکن راویوں کے مختلف بیانات کی وجہ سے واقعہ کے متعدد ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ بعض راوی اپنے علم کے مطابق حدیث کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں اور دوسرے کو بھول جاتے ہیں، بعض مختصر نقل کرتے ہیں اور بعض مطول، بعض اہم حصہ کو نقل کرکے غیر اہم کو ترک کردیتے ہیں، یا بعض مخاطب کے لئے انفع بات کو ذکرتے ہیں اور بقیہ ترک کردیتے ہیں، اس لئے یہ اختلاف پیدا ہوتا ہے، اگر اس وجہ سے اس واقعہ کو متعدد مانتے ہیں تو تقریبا سبھی روات کی روایات یک جیسی ہیں، اس لئے ہر چیز کا تعدد لازم آئے گا، جو بظاہر مشکل ہے، کیونکہ سبھی روایات میں اسراء ،انبیاء کی تعریف ، ان کی امامت، نمازوں کی فرضیت، نمازوں میں تخفیف، فرشتوں سے تعارف، حق تعالیٰ سے ہم کلامی اور بار بار حق تعالیٰ کے دربار میں حاضری وغیرہ کا تذکرہ ملتا ہے، اور بظاہر یہ بعید ہے کہ یہ سب چیزیں متعدد مرتبہ پیش آئی ہوں، ہاں اگر اس واقعہ کو بیداری کے ساتھ ساتھ خواب کے ساتھ بھی مانا جائے جیسا کہ علماء اس کے قائل ہیں تو پھر کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ (اللباب "۱۰/۲۳۳۔عمدۃ القاری:۲۵/۶۷۔تفسیر ابن کثیر:۵/۴۲۔فتح الباری:۷/۱۹۷)

اسراء اور معراج کسے کہتے ہیں:

اس واقعہ کے دو نام ہیں، ایک اسراء اور ایک معراج، مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو "اسراء" اور مسجدِ اقصیٰ سے ساتوں آسمان وہاں سے سدرۃ المنتہی اور اس سے آگے عرش اور بارگاہ الٰہی تک کے سفر کو "معراج" کہا جاتا ہے۔ اسراء کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی ابتداء میں اور معراج کا ذکر سورۂ نجم کے پہلے رکوع میں موجود ہے۔

لفظ "معراج" "عروج" سے ہے، عروج کے معنی چڑھنے اور بلندی کے ہیں، چونکہ عام طور پر سیڑھی کے ذریعہ ہی بلندی پر پہنچا جاتا ہے اور آپ ﷺ اس رات آسمان پر

سیڑھی کے ذریعہ لے جائے گئے تھے اس لئے اس کو معراج کہتے ہیں، نیز حق تعالیٰ نے اس شب میں امام الانبیاء کی عظمت وبلندی کو ظاہر فرمایا تھااس وجہ سے بھی اِس کو معراج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس واقعہ کی تفصیلات احادیث میں مذکور ہیں، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے متعلق بہت ساری روایات نقل کی ہیں، اور تقریباً پچیس صحابہ کرام سے روایات کو نقل کیا ہے، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو ۴۵ صحابہ سے نقل کیا ہے۔ان میں کچھ روایات صحیح ہیں، کچھ حسن ہیں، کچھ ضعیف ہیں اور کچھ موضوع ہیں۔

آغازِ سفر

آغازِ سفر اس طرح ہوا کہ آپ کے پاس تین فرشتے آئے، آپ اپنے گھر آرام فرمارہے تھے، ان میں سے ایک نے پوچھا کہ یہ ان سب میں کون ہیں ؟ دوسرے نے کہا کہ یہ ان میں سب سے بہتر ہیں، تیسرے نے کہا کہ ان کو لے چلو، اس وقت وہ آپ کو لئے بغیر چلے گئے اور دوسری رات پھر آئے، اس وقت بھی آپ آرام کررہے تھے، لیکن نیند اور بیداری کے درمیان کی آپ کی کیفیت تھی، وہ آپ کو اٹھا کر زمزم کے پاس لے آئے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آغازِ سفر حطیم اور حجر سے ہوا۔ چونکہ حطیم اور حجر ایک ہی چیز ہے اور مسجدِ حرام ہی میں واقع ہے، اس لئے ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، البتہ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کا آغاز اُمّ ہانی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن تھیں ان کے گھر سے ہوا۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مبارک گھر سے اس سفر کا آغاز ہوا، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ شعب ابی طالب سے اس کا آغاز ہوا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ رکن یمانی اور مقام ابراہیم یا

بئر زمزم کے درمیان سے اس کا آغاز ہوا، اس اعتبار سے ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (الاسراء والمعراج للسیوطی، ۳۸/۱)

حافظ ابن حجر نے اس میں تطبیق یعنی موافقت کی شکل یہ بیان کی ہے کہ آپ اس رات ام ہانی کے گھر آرام فرمارہے تھے، اور ام ہانی کا گھر شعب ابی طالب کے پاس تھا، آپ کے اس گھر کی چھت کھل گئی، پھر وہاں سے فرشتہ اترا، اور آپ کو گھر سے مسجد حرام میں حطیم کے پاس لے گیا، اور آپ ابھی لیٹے ہوئے تھے، اور نیند کا اثر باقی تھا، پھر فرشتہ آپ کو مسجد کے دروازے پر لایا، اور براق سواری آئی اور آپ نے اس پر سوار ہو کر سفر کا آغاز فرمایا، اس اعتبار سے حطیم، حجر، شعب ابی طالب، ام ہانی کے گھر سب کی طرف آغازِ سفر کی نسبت صحیح ہے، بعض روایات میں جو اپنے گھر کی طرف نسبت ہے وہ اس اعتبار سے ہے کہ چونکہ ام ہانی کے گھر آپ کی سکونت ہوتی تھی اس لئے آپ نے اس کی نسبت اپنی طرف کر دی، جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ رکن یمانی اور مقام ابراہیم یا بئر زمزم کے درمیان سے اس کا آغاز ہوا، تو یہ یہاں حجر کی مراد نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوا، کیونکہ ان حضرات نے حجر کی تفسیر رکن یمانی اور مقام ابراہیم یا بئر زمزم کے درمیان سے کی ہے، جب کہ حجر یہاں حطیم ہی کے معنٰی میں ہے۔ (فتح الباری: باب المعراج: ۲۰۴/۷) یا پھر ان میں تطبیق کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ اس کو منامی معراج پر محمول کیا جائے۔

شقِ صدر اور اس کی حکمتیں:

جب آپ کو زمزم کے پاس لایا گیا تو حضرت جبرئیل نے اپنے ہاتھ سے آپ کا سینہ چاک کیا، سینے اور پیٹ کی تمام چیزیں نکال کر زمزم سے انہیں دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت لایا گیا، جس میں سونے کا ایک بڑا پیالہ تھا جو ایمان اور حکمت سے

بھرا ہوا تھا، اس کے ذریعہ آپ کے بطن مبارک کو اور بھی منور کیا گیا۔(تفسیر ابن کثیر:۶/۵۔دلائل النبوۃ:۶۷۴و۶۷۵)

شقِ صدر کا واقعہ متعدد مرتبہ پیش آیا، ایک تو اس وقت جب آپ حضرت حلیمہ کے پاس تھے، اور راجح قول کے مطابق اس وقت آپ کی عمر چار سال تھی، دوسرے دس سال کی عمر میں، تیسرے بعثت کے وقت، اور چوتھے معراج کے وقت۔

بعض حضرات دو مرتبہ، بعض تین مرتبہ کے قائل ہیں، لیکن صاحب سبل الہدی والرشاد نے مسند احمد، صحیح مسلم، بیہقی، دلائل النبوۃ وغیرہ کی روایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ چار مرتبہ پیش آیا تھا۔(سبل الہدیٰ والرشاد:۲/۵۹تا۶۲)

علماء نے اس کی وجوہات اور حکمتیں بھی لکھی ہیں، بچپن میں اس کی حکمت یہ تھی کہ قلب مبارک بچپن کے کھیل کود اور شیطانی اثرات سے مکمل عصمت اور حفاظت میں رہے، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت سے اس کا اندازہ ہوتا ہے، دس سال کی عمر میں اس واقعہ کے پیش آنے میں حکمت یہ تھی کہ نبوت، ولایت اور تقرب کے منافی امور اور شباب کے اثرات، بشری تقاضوں اور لوگوں میں معیوب باتوں سے آپ مکمل محفوظ رہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس مرتبہ شق کے وقت آپ کے قلب اطہر سے حسد، اور کینہ یعنی اس کے مادہ کو نکالا گیا، اور پھر قلب میں رأفت اور رحمت کو بھرا گیا، آپ فرماتے ہیں کہ جب میں وہاں سے لوٹا تو میرے دل میں چھوٹوں کی شفقت اور بڑوں کے لئے رحمت تھی۔(سبل الہدیٰ والرشاد:۲/۶۱)

رحمت اور رأفت دونوں کے معنیٰ ایک ہی ہیں، لیکن علماء نے ان کے درمیان فرق یہ لکھا ہے کہ رأفت زیادہ رحمت کو کہتے ہیں، جب کہ رحمت کا درجہ اس سے کم ہے۔

بعض نے کہا کہ رحمت کا تعلق خوشی دینے سے ہوتا ہے، جب کہ رأفت کا تعلق تکلیف اور مضرت کو دور کرنے سے ہوتا ہے، بعض نے کہا کہ رحمت نہ چاہتے ہوئے اور ناپسندیدہ چیزوں میں بھی ہوتی ہے کسی مصلحت کی بنیاد پر، جب کہ رأفت صرف پسندیدہ چیزوں میں ہوتی ہے۔(نضرۃ النعیم:۵/۲۰۱۵)

پھر شقِّ صدر بعثت سے قبل ہوا، اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ کا قلبِ مبارک وحیِ الٰہی کا تحمل کر سکے۔

اور معراج کے موقع پر اس کے پیش آنے میں حکمت یہ لکھی ہے کہ آپ کا قلب ملکوتی اور سدرۃ المنتہیٰ سے ماوراء سیر، بارگاہِ الٰہی میں حاضری اور دیدارِ الٰہی اور مناجات کا متحمل ہو سکے۔ اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں علماء نے لکھی ہیں، اور مخفی حکمتوں کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ علم و حکمت اور ایمان و یقین سے بھرنا اور قلب کا تخلیہ و تصفیہ کرنا بغیر شق صدر کے بھی ممکن ہے، اور حق تعالیٰ کی قدرت میں ہے، پھر حق تعالیٰ نے کیوں عالم مشاہدہ میں اس کو کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عالمِ مشاہدہ میں شق صدر سے یقین کی کیفیت میں اضافہ مقصود تھا، کیونکہ جب آپ اپنے سینہ کو شق ہوتا ہوا دیکھیں گے اور اس مادی عالم میں شق کی تکالیف اور اس کے اثرات کو نہ دیکھیں گے تو آپ کے یقین میں اضافہ ہو گا، اور تمام مادی اور عادی خوف سے آپ محفوظ ہو جائیں گے، اس وجہ سے آپ کے ساتھ عالم مشاہدہ میں یہ واقعہ پیش آیا، اور اسی وجہ سے آپ لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر بھی تھے۔(سبل الہدی والرشاد:۲/۶۶)

براق:

غرض اس کے بعد آپ کے صدر مبارک کو سی کر آپ کے لئے براق نامی سواری کا انتظام کیا گیا، جو آپ سے پہلے انبیاء کی بھی سواری تھی، جس کا قد گدھے سے کچھ اونچا اور خچر سے کچھ کم تھا، ہلتے ہوئے اور اوپر کو اٹھے ہوئے کانوں والا تھا، وہ اپنا ایک ایک قدم اتنی دور رکھتا تھا، جتنی دور اس کی نگاہ پہنچتی تھیں، اس پر لگام بھی تھی اور زین بھی تھی، جب وہ حضور کی سواری کے وقت کسمسایا تو حضرت جبرئیل نے کہا کہ تو کیا کر رہا ہے؟ واللہ تجھ پر آپ سے پہلے اور آپ سے زیادہ بزرگ اور معزز شخص سوار نہیں ہوا، یہ سن کر وہ پسینہ پسینہ ہو گیا، جب آپ اس پر سوار ہو کر چلے تو حضرت جبرئیل نے ایک جگہ مجھ سے فرمایا یہاں اتر کر نماز ادا کیجئے، جب میں نماز پڑھ چکا تو فرمایا۔ جانتے ہو کہ یہ کونسی جگہ ہے؟ یہ طیبہ ہے، یہی آپ کی ہجرت گاہ ہے، آگے ایک اور جگہ حضرت جبرئیل نے مجھ سے نماز پڑھوائی اور فرمایا" یہ طور سیناہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔ پھر ایک اور جگہ نماز پڑھوا کر فرمایا کہ یہ بیت لحم ہے، جہاں (حضرت) عیسیٰ پیدا ہوئے تھے۔ (سنن نسائی: باب فرض الصلاۃ، ۴۵۴)

غرض معراج اور اسراء کا جو واقعہ پیش آیا وہ تاریخ انسانیت کا حیرت انگیز واقعہ تھا۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک اہم معجزہ ہے، اور ہر معجزہ عجیب ہی ہوتا ہے، معجزہ کے معنیٰ ہیں عاجز کرنے والا، یعنی ایسا کام یا ایسا عمل جسے انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگ کرنے سے عاجز ہوں، اور اگر مخبر صادق خبر نہ دے تو کوئی اس پر یقین بھی نہ کر سکے، اور اگر کسی کے سامنے وہ واقعہ پیش آئے تو انہیں دیکھ کر بھی یقین نہ آئے، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی دعا پر اللہ پاک نے پہاڑ میں سے اُونٹنی نکالی جس کا قرآن

پاک میں متعدد مرتبہ ذکر ہے۔(الاعراف:۷۳) پہاڑ کا پھٹنا پھر اس میں سے اونٹنی کا برآمد ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ کوئی چیونٹی یا مکھی یا چھوٹا سا کیڑا یا سانپ اور بچھو نہیں ہے کہ آسانی سے نکل جائے، کچھ سانپ بچھو تو پتھر کے نیچے ہوتے ہیں، لیکن یہاں ایسا نہیں ہے، اگر کوئی مخبر صادق خبر نہ دے تو لوگ اس پر یقین بھی نہ کریں، چونکہ کہنے والا اور بتانے والا سچا ہے، اس لئے اس خبر پر یقین کرنا پڑتا ہے، پھر جو مشاہدہ کرنے والے ہیں ان کا تو آنکھوں کا مشاہدہ تھا، پھر وہ کوئی ہپنوٹزم (Hypnotism) نہیں تھا، یعنی مسمریزم (Mesmerism) نہیں تھا کہ وہ اونٹنی آئی اور غیب ہو کر چلی گئی، وہ تو ان کے پاس ایک عرصہ تک رہی، کھاتی اور پیتی رہی، پھر اس نے بچہ دیا، اخیر میں ان لوگوں نے اس اونٹنی کو قتل کر دیا، جیسے حضرت صالح کا یہ معجزہ تھا اسی طرح معراج سرکارِ دوعالم ﷺ کا معجزہ تھا، لیکن یہ ایک ایسا معجزہ ہے جو کئی معجزات کو شامل ہے۔

معراج مستقبل میں قدم رکھنا ہے:

اس کے حقائق بھی بڑے عجیب وغریب ہیں، آپ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت میں جاکر آئے، آسمانوں پر جانا یہ خود ایک معجزہ ہے، آسمانوں ہی پر نہیں بلکہ فیوچر (Future) یعنی مستقبل میں جاکر آنا یہ بھی ایک معجزہ ہے، جو باتیں آپ کو وحی کے ذریعہ بتائی جاتی تھیں، جو اخبارِ غیب میں سے ہیں اور جو مستقبل میں اور موت کے بعد پیش آنے والی ہیں ان کا آپ نے مشاہدہ فرمایا، اسی لئے قرآن پاک میں فرمایا گیا: ”لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا“ ہم نے انہیں بلایا تاکہ ہم انہیں اپنی قدرت کی خاص نشانیاں دکھائیں، چونکہ یہ واقعہ تفصیل طلب ہے اس لئے موقع اور محل کے اعتبار سے چند ضروری باتیں اس وقت ذکر کروں گا، واقعہ کے ساتھ ساتھ معراج سے متعلق آیتوں کا بھی درس ہو جائے گا۔

مضامین کے تکرار سے اکتاہٹ کیوں؟

بعض مرتبہ لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ تو پرانے ٹاپکس (Topics) ہیں، اور پرانے موضوعات ہیں، ان کا ذکر کرنے کے بجائے دوسری کچھ کام کی باتیں کی جائیں، گزشتہ ایک نو وارد آئے تھے، انہوں نے مجھ سے یہی بات کہی، اس وجہ سے میں اس سے متعلق بھی چند باتیں عرض کروں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ گزشتہ جمعہ میں ایک مضمون یہ بھی ذکر کیا گیا تھا کہ آدمی کبھی آدھی بات نہ سنے بلکہ پوری بات سنے، ایسے ہی یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ پورا مضمون سننا چاہیے، بلکہ پورے مضامین سننے چاہیے، بات کرنے سے قبل اس کا سیاق وسباق بھی دیکھ لینا چاہیے، جب وہ صاحب آئے تو معراج کا مضمون چل رہا تھا، یہ ایک موقع ہے، اس مناسبت سے کچھ باتیں اس سے متعلق ذکر کی جاتی ہیں، اس کے علاوہ ہماری دیگر ضروریات ہوتی ہیں، مسائل ہوتے ہیں، حالات ہوتے ہیں، کیریکٹرس سے متعلق مضامین ہوتے ہیں، ہماری فکری، علمی اور عملی غلطیوں کی اصلاح ہوتی ہے، سال بھر ان کا ذکر ہوتا رہتا ہے، اس سے متعلق مضامین ذکر کئے جاتے ہیں۔ اس لئے صرف ایک مرتبہ کی حاضری پر بالخصوص جب کہ کسی خاص موقع سے ہو اس طرح کا اعتراض کرنا مناسب نہیں ہے۔

محبت مذاکرہ کو چاہتی ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے ذکر کو اور آپ کے واقعۂ معراج کو اور اس کے ضمن میں بیان کی جانے والی معاشرہ کی اصلاحی اور وقت کی ضروری باتوں کو غیر ضروری سمجھنا بہت ہی برا ہے؟ یہ کانسپٹ (Concept) کسی کمزوری کی نشانی ہے، اور وہ کمزوری ایمان اور اسلام کی کمزوری ہے، جب دل میں اسلام اور اسلامیات

کا تقدس اور عظمت نہ ہو تو پھر آدمی ایسی باتیں کرتا ہے، حضور پاک ﷺ کی ذات گرامی تو ایسی ہے کہ ہر مسلمان کو آپ کے ساتھ اتنی محبت ہونی ہی چاہیے کہ ہر وقت اگر صرف آپ ہی کا ذکر کیا جائے تو اسی میں جھومتا رہے، جب محبت اور عظمت دل میں نہ ہو تو ایسی باتیں پیدا ہوتی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ'' (کنز العمال: کتاب الایمان: ۱۸۲۹)

جو آدمی کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کا ذکر بہت کثرت سے کرتا ہے۔ اور آپ کی ذات کا، آپ کی سیرتِ مبارکہ کا، آپ کے واقعات کا، آپ کی خصوصیات کا، آپ کی صفات کا ذکر ہی ہمارا مقصد ہے، یہی چیزیں انسانیت کو ڈیولپ (Develop) کرنے والی ہیں، ہر انسان کی انسانیت کا مدار اسی پر ہے، اور انسانیت کے کمال کا تعلق اسی سے ہے، جس میں آپ ﷺ کا رنگ، آپ کی روحانیت، آپ کی عظمت و محبت اور آپ کی اتباع جتنی زیادہ ہو اتنا ہی اس میں کمال ہوگا، انسان کی کوالیٹی (Quality) اسی سے بنتی ہے، کسی انسان کے معیاری اور کامل ہونے کا مطلب اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں، اسلام اور مذہب کی نظر میں یہ ہے کہ آدمی میں سرکار دو عالم ﷺ کی اتباع ہو، فکر کے اعتبار سے، عقیدوں کے اعتبار سے، عبادت کے اعتبار سے، معاملات کے اعتبار سے، معاشرت کے اعتبار سے، اخلاق کے اعتبار سے، علم کے اعتبار سے اور عمل کے اعتبار سے، اور ان میں اتباع اسی وقت ہو سکتی ہے جب آپ سے محبت اور عظمت دل میں ہو، اس لئے بابار محبت اور عظمت پیدا کرنے کے لئے آپ کی سیرت کو بیان کیا جاتا ہے، تبھی انسانیت اور آدمیت میں کمال آتا ہے۔

محبت رسول کی فضیلت:

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آنے والی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وَیْلَکَ وَمَا أَعْدَدْتَ لَهَا'' تیری ہلاکت ہو تو نے اس کے لئے کیا

تیاری کر رکھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ: "مَا اَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيْرِ صَلاَةٍ وَلَا صَوْمٍ وَلَا صَدَقَةٍ، وَلٰكِنِّيْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ" قَالَ: اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ" (صحیح بخاری: کتاب الادب: ۶۱۶۷، ۶۱۷۱) میں نے اس کے لئے زیادہ نمازیں، روزے اور صدقات تو جمع نہیں کئے ہیں البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، تو آپ نے فرمایا تو جس سے محبت کرتا ہے کل قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "فَمَا رَاَيْتُ الْمُسْلِمِيْنَ فَرِحُوْا بَعْدَ الْاِسْلَامِ اَشَدَّ مِمَّا فَرِحُوْا يَوْمَئِذٍ" (الادب المفرد: باب الرجل یحب قوما ولما یلحق بهم: ۳۵۲)

میں نے مسلمانوں کو اسلام لانے کے بعد اتنا زیادہ خوش نہیں دیکھا جتنا کہ وہ اس دن خوش ہوئے۔

اسی وجہ سے ہم اپنے بزرگوں کی تعلیمات میں یہ بات دیکھتے ہیں کہ وہ زیادہ تر انہیں موضوعات کی طرف توجہ دیتے ہیں، انڈیا اور پاکستان کے بزرگوں کے ملفوظات اور بیانات میں آپ کو خاص طور پر یہی چیز ملے گی، وہ زیادہ تر اسی پوئنٹ (Point) کی طرف توجہ دلاتے رہتے ہیں، کیونکہ اس سے ایک جنرل باڈی (General body) گویا اسلام کی روحانیت ڈیولپ (Develop) ہوتی ہے، اور اسی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت دل میں آتی ہے، جب یہ دل میں آتی ہے تو پھر اسلام پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔

نئی نسل کی اہم ضرورت:

بالخصوص ہماری نئی جنریشن (Generation) میں اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے، ہم اپنے بچپن میں جس ماحول اور جن اثرات کو دیکھتے تھے وہ آج نہیں ہے، وہ

نورانیت ختم ہوتی جارہی ہے، ہمارے نئے پودوں اور نئ جنریشن(Generation) کی جس فکر اور جس مزاج کے ساتھ گروتھ (Growth) ہو رہی ہے اس کا فاؤنڈیشن(Foundation) اتنا کمزور ہے کہ عمارت زیادہ دیر تک کھڑی نہیں رہ پائے گی، اس لئے اس ماحول کو بنانے کی ضرورت ہے، اپنے بچوں میں اس چیز کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، ان کے ذہن ودماغ کو اس طرف موڑنے کی ضرورت ہے، جب بات دل کی گہرائی میں اتر جاتی ہے تو پھر اپنے اثرات صحیح معنٰی میں ظاہر کرتی ہے، اس لئے آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے مختلف پہلو آپ کے سامنے ذکر کئے جاتے ہیں، تاکہ آپ کی عظمت، محبت اور اطاعت کا جذبہ دلوں میں پیدا ہو، اور پھر یہ تو اتنا عظیم الشان پہلو ہے اور اتنا بڑا معجزہ ہے کہ ہماری عقل میں بھی نہیں آسکتا، اسی لئے بعض عقل پرستوں نے تو اس کا انکار کر دیا، اور آج فیشن پرست اس کے ذکر کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

تکرارِ مضامین سے اکتاہٹ روح کی خرابی کی علامت ہے:

تیسری بات یہ ہے کہ روزانہ ہم کھانا کھاتے ہیں، ایک مرتبہ نہیں بلکہ تین مرتبہ کھاتے ہیں، اور پھر ساتھ میں چائے اور دیگر مشروبات کا دور الگ چلتا ہے، نیز کھانے اور سالن بھی تقریباً ایک ہی قسم کے، اور مشروبات بھی ایک ہی قسم کے، لیکن کبھی ہم یہ نہیں سوچتے ہیں کہ روزانہ ہم یہی کھانے اور یہی مشروبات کیوں پی رہے ہیں؟ اور پھر روزانہ ایک وقت نہیں بلکہ تین وقت کھانے سے گھن بھی نہیں ہوتی، بلکہ طبیعت کو سکون اور قرار ملتا ہے، بے چینی ختم ہوتی ہے، کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے جسم کو اس کی ضرورت ہے، ہم اس کے دلدادہ ہیں، اگر یہ نہ کھائیں تو جسم کمزور ہو جائے گا، بیماریاں آنا شروع ہو جائیں گی، میرے دوستو! جس طرح اس میں ہمیں ضرورت محسوس ہوتی ہے

تو دین کے معاملہ میں ہمیں یہ ضرورت کیوں محسوس نہیں ہوتی؟اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری روح کمزور پڑ گئی ہے،اس میں خرابی آچکی ہے،جس کی وجہ سے یہ مضامین ہمیں اچھے نہیں لگتے،ان سے طبیعت گھن کرنے لگتی ہے،جیسے جب طبیعت ناساز ہو تو اچھا کھانا بھی کڑوا محسوس ہوتا ہے،دل کو وہ بھاتا نہیں،یہی حال ہماری روح اور دین کا ہے،جیسے جسم کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے،ایسے ہی روح کو بھی غذا کی ضرورت ہوتی ہے،جیسے جسم کی اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے،ایسے ہی روح کی بھی اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے،اسے وقتاً فوقتاً ان مضامین کو سنانا پڑتا ہے،یہ اگرچہ مکرر ہوتے ہیں لیکن روح کی ضرورت ہوتے ہیں،ڈاکٹر صاحب سے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر دفعہ بخار کی آپ یہی گولی دیتے ہیں،نزلہ کی یہی دوا دیتے ہیں،فلاں بیماری کی یہی دوا دیتے ہیں،جیسے ان سے یہ کہنا بے وقوفی ہے ایسے ہی ان مضامین کے تکرار کو غیر ضروری سمجھنا اور اس پر اکتاہٹ کا اظہار کرنا بھی بے وقوفی اور جہالت ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں اہم اہم مضامین کو حق تعالیٰ نے مکرر ذکر کیا ہے،مثلاً نماز کا تذکرہ سینکڑوں جگہ ہے،روزہ،زکوۃ اور دیگر احکام کا تذکرہ سینکڑوں جگہ ہے،توحید رسالت اور آخرت کا مضمون سینکڑوں جگہ ہے،انبیاء کے واقعات متعدد مرتبہ ذکر فرمائے ہیں،نیز صحابہ کرام نے بھی بہت سی احادیث آپ علیہ السلام سے متعدد مرتبہ سنی ہیں،ظاہر ہے کہ اس تکرار کا مطلب اس مضمون کی اہمیت کو بیان کرنا اور ایک مسلمان کے دل میں اس کو راسخ کرنا ہے،اسی طرح یہ مضامین بھی ایک خاص پس منظر میں خاص مقصد سے بیان کئے جاتے ہیں،اس لئے اس کے تکرار سے اکتانا مناسب نہیں ہے۔

حضور نے اعمال کے نتائج اور باطن کو دیکھا ہے:

غرض یہ واقعہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت کے عجیب وغریب مظاہر پر مشتمل ہے، اس کائنات میں کچھ چیزیں اللہ پاک نے ایسی بنائی ہیں جن کو انسان دیکھتا ہے اور ان پر ہونے والے اثرات کو بھی دیکھتا ہے، اور کچھ چیزیں ایسی بنائی ہیں کہ انسان نہ انہیں دیکھ پاتا ہے، اور نہ انہیں محسوس کر پاتا ہے، لیکن اللہ کے یہاں اس کا اعتبار اور اس کی اہمیت زیادہ ہے، گویا ہر چیز کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے، ظاہر کو تو ہم دیکھ پاتے ہیں لیکن اس کے باطن اور اس کے اثر اور اس کے انجام کو نہیں دیکھ پاتے، اس کو ایک مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر دو کیلے دسترخوان پر طشت میں رکھے ہوئے ہوں، ان میں سے ایک صحیح سالم ہے اور ایک سڑا ہوا ہے، جس میں بیکٹریا (Bacteria) ہو گیا ہے تو ہر چھوٹے بڑے کو نظر آتا ہے کہ ایک کیلا صحیح ہے، اور ایک کیلا خراب ہو گیا ہے، یہ مفید ہے یہ مضر ہے، اسی کے ساتھ اور دو کیلے طشت میں رکھے ہوئے ہوں، دونوں صحیح سالم ہوں، دونوں تازہ ہوں، لیکن ایک حلال کی آمدنی کا ہو اور ایک حرام کی آمدنی کا، ایک جائز اور ایک ناجائز، ایک خریدا ہوا اور ایک چرایا ہوا تو کیا اس فرق کو دنیا کی آنکھ دیکھ سکتی ہے؟ یہ فرق کسی کو نظر نہیں آتا، یہ اور بات ہے کہ مصفیٰ اور مزکیٰ قلوب میں اگر یہ چلا جائے تو وہ بے چین اور مضطرب ہو جاتے ہیں، لیکن ظاہر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، اگر کوئی ان کو استعمال کرلے تو اس کے کیا نتائج مرتب ہوں گے یہ بھی ہماری نظروں سے غائب ہوتا ہے، لیکن اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے، اس کے باطنی اثرات انسان پر پڑتے ہیں، اس لئے اس کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے، یہ علم انسانوں کے تجربات، انسانوں کی عقل، اور ان کی تحقیقات پر نہیں چھوڑا گیا

اور نہ چھوڑا جاسکتا ہے، یہ انسان کے بس سے باہر کی چیز ہے، یہ اس کی عقل سے ماوراء ہے، کیونکہ ہمارے دیکھنے میں لمٹ (Limit) ہے، سننے میں لمٹ ہے، چاہنے میں لمٹ ہے، سونچ میں لمٹ ہے، عقل میں لمٹ ہے، چاہے کتنے ہی ان لیمیٹیڈ (Unlimited) نظر آئیں، اس لئے ان چیزوں کا ادراک کرنا کہ حلال میں اور حرام میں کیا فرق ہے؟ صحیح اور غلط میں کیا فرق ہے؟ سچ اور جھوٹ میں کیا فرق ہے؟ گاڑھے پسینہ کی کمائی اور رشوت میں کیا فرق ہے؟ سود اور نفع میں کیا فرق ہے؟ عام انسانی عقل سے ماوراء ہے، مشرکین نے کہا تھا کہ: ''اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا'' (البقرۃ:۲۷۵) بیع میں بھی نفع حاصل کیا جاتا ہے، ربا میں بھی نفع حاصل کیا جاتا ہے، شرح اس میں بھی مقرر ہے، شرح اس میں بھی مقرر ہے، لیکن اللہ نے فرمایا: ''اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا'' بیع حلال ہے اور ربا (سود) حرام ہے، دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، یہ فرق ہمیں یہاں نہیں آخرت میں سمجھ میں آئے گا۔ یہ علم آسمانی ہے، اس لئے اس کی حقیقت بھی وہیں سمجھ میں آئے گی، اس کا تعلق حقائق اور اعمال کے خواص سے ہے، اور ان حقائق اور اعمال کی خصوصیتیں وہاں معلوم ہوں گی، چاہے کوئی اندھا بن کر زندگی گذارے، چاہے کوئی بینا بن کر زندگی گذارے، اس کو اس کے اعمال کا بدلہ ضرور دیا جائے گا، شتر مرغ کی چال چلنے سے کوئی بچ نہیں سکتا، شتر مرغ کے بارے میں مشہور ہے کہ جنگل میں جب یہ دیکھتا ہے کہ کوئی دشمن اس کی طرف آرہا ہے تو وہ اپنا چہرہ ریتی میں چھپا دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب نہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور نہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں، اس حالت میں تو شکاری کیلئے شکار کرنا اور زیادہ آسان ہو جاتا ہے، ہم اندھے بنیں یا نہ بنیں ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ ملے گا، عجیب بات یہ ہے کہ جو چیزیں ہم کو قرآن وحدیث میں بتائی گئیں ہیں معراج کے موقع

پر وہ آپ کو دکھائی گئی ہیں، ان کی سیر کروائی گئی، واقعۂ معراج تو حقائق کا مجموعہ ہے، مگر اس میں ایک بہت اہم بات یہ ہے کہ جو کچھ آپ کو بتایا گیا تھا وہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، وہاں کیا ہوتا ہے، اعمال کے نتائج کی نوعیت کیا ہے؟ یہ سب آپ ﷺ نے مشاہدہ فرمایا ہے، آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک جو لوگ اس دنیا سے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ختم نہیں ہوا، یہ کانسپٹ (Concept) لوگوں کا غلط ہے کہ موت آئی اور معاملہ ختم، دنیا کی لائف تو ختم ہو جائے گی، لیکن انسان کبھی ختم نہیں ہوگا، انسان کی زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی، حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر سرکارِ دوعالم ﷺ تک اور آئندہ قیامت تک جتنے لوگ آئے ہیں اور آئیں گے اور جو گئے ہیں اور جائیں گے وہ سب وہاں پر ہوں گے، مومن بھی اور غیر مومن بھی، طاغوت اور سرکش بھی اور اولیاء اللہ بھی، ہر ایک اپنی اپنی زندگی میں ہے، ہر ایک کو ایک خاص حالت میں رکھا گیا ہے، جس طرح دنیا میں ان کا معاملہ تھا اسی اعتبار سے ان کو وہاں پر ایک خاص حالت میں رکھا گیا ہے، آپ ﷺ نے جہاں اور چیزوں کا مشاہدہ فرمایا ہے وہیں اس کا بھی مشاہدہ فرمایا۔

یہ اتنی بڑی حقیقت ہے کہ اس کے معلوم ہو جانے کے بعد ہمیں بہت ہی سنجیدہ ہو جانا چاہئے، آپ کا وہاں کے احوال کا مشاہدہ فرمانا کوئی معمولی بات نہیں ہے، جب نبی علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کیا تو اب ہمارے ایمان ویقین کی کیفیت بدل جانی چاہئے، احوال اور اعمال بدل جانے چاہئیں، چونکہ وہاں کے احوال ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں، اس لئے اس کی اہمیت ہمارے پاس زیادہ نہیں ہے، لیکن سرکار کا مشاہدہ ہی ہمارے لئے کافی ہے، بلکہ آپ کا کہہ دینا بھی کافی ہے۔ اس لئے ہمارے اعمال ایسے ہوں جیسے ہم نے ان احوال کا مشاہدہ کیا ہو، اگر کوئی وہاں کے احوال دیکھ لے تو اس کی زندگی بدل جائے گی، جہنم کا ایک جھونکا اس کی زندگی کی تمام نعمتوں کو بھلا دے گا اور

اسے ایسا محسوس ہو گا کہ کبھی اس کو دنیا میں راحت ملی ہی نہیں، اور جنت کی ٹھنڈی ہوا کی لہر دنیا کے سارے مصائب اور غموں کو بھلا دے گی اور آدمی کو ایسا محسوس ہو گا کہ کبھی اس کو دنیا میں کوئی تکلیف ہی نہیں پہنچ۔ اس لئے میرے دوستو! زندگی سوچ سمجھ کر اور آخرت میں جواب دہی اور اللہ کی پکڑ اور وہاں کے احوال اور مناظر کو مد نظر رکھ کر گذارنی چاہئے۔

معراج کا مقصد:

علماء نے لکھا ہے کہ واقعۂ معراج کے ذریعہ جہاں آپ کی فضیلت اور عظمت کو بیان کرنا مقصد ہے وہیں آپ ﷺ کی تسلی بھی مقصود تھی، آپ بے انتہاء تکالیف اور مشقتوں کو برداشت کرنے، پھر بائیکاٹ (Boycott) کئے جانے، پھر چچا ابو طالب اور ام المومنین حضرت خدیجہ کے انتقال ہو جانے اور اس کے بعد سفر طائف میں پیش آنے والی تکالیف سے انتہائی شکستہ دل ہو گئے تھے، جس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ میری زندگی کا سب سے سخت ترین دن طائف کا دن تھا، ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی! آپ کی حیاتِ طیبہ کا سب سے سخت دن کونسا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكَ مَا لَقِيتُ وَ كَانَ اَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ اِذْ عَرَضْتُ نَفْسِيْ عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيْلَ فَلَمْ يُجِبْنِيْ اِلٰى مَا أَرَدْتُ“ (صحیح بخاری: کتاب بدأ الخلق: ۳۰۵۹) تمہاری قوم سے مجھ کو جو تکلیف پہنچی سو پہنچی، لیکن ان سب میں سب سے سخت دن میرے لئے وہ تھا جس دن میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل پر پیش کیا، ان کو اسلام کی دعوت دی، ان لوگوں نے دعوت قبول کرنے کے بجائے اور اسلام لانے کے بجائے میرے ساتھ بد تمیزی کی، اور جو میرا خیال تھا اس کے مطابق ان لوگوں نے جواب نہیں دیا، آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے تاکہ وہاں

کے لوگ آپ کی بات سن لیں، اور ان سے کچھ مدد و نصرت آپ کو مل جائے، لیکن وہ تو کفار سے زیادہ سخت نکلے، جو تکالیف آپ کو مکہ میں نہیں پہنچی تھیں، وہ طائف میں پہنچیں، جس کسی سردار سے ملتے وہ آپ کو دھتکار دیتا، حتی کہ اپنے محلے کے شریروں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، وہ آپ کو پتھروں سے مارنے لگے، آپ کے پیر مبارک خون آلود ہوگئے، اور جوتے خون سے بھر گئے، آپ تکلیف سے بیٹھتے تو وہ آپ کے بازو پکڑ کر اٹھا دیتے اور جب آپ چلتے تو آپ کا تمسخر کرتے، اس وقت آپ نے ایک درخت کے نیچے پناہ لی، تو ربیعہ نامی شخص کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ نے اپنے عداس نامی غلام کو بلایا اور کہا کہ یہ انگور کا خوشہ لو اور اس آدمی کو دیدو اور کھانے کے لئے کہو، عداس کے دینے پر آپ نے لیا اور بسم اللہ کہہ کر تناول فرمایا، اور یہ دعا کی: "اللّٰهُمّ إلَيْكَ أَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ، وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ" (الدعاء للطبرانی: باب الدعاء عند الکرب: ۱۰۳۶ و الروض الأنف: ۲/ ۲۳۱) یا اللہ اب میں شکایت کرتا ہوں مگر شکایت اس بات کی کرتا ہوں کہ میں کمزور ہوں، اس وجہ سے شاید میں تدبیر صحیح نہ کرسکا، جس انداز میں تبلیغ کرنی چاہئے تھی ویسے نہیں کی۔ آپ ﷺ کی تواضع دیکھئے، آپ فرمارہے ہیں کہ میں صحیح تدبیر ان کے لئے نہ کرسکا، جب کہ نبی بلکہ امام الانبیاء ﷺ کی فہم کو کون جانے؟ اس مقام سے کون واقف ہو؟ حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ نبی کے مقام کو سمجھنے کیلئے نبی کی قوت فہم بھی چاہیے، غیر نبی اس مقام کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا "وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا أَرْحَمَ الرّاحِمِيْنَ" اور لوگوں میں ذلیل ہوجانے کی بھی شکایت کرتا ہوں اے ارحم الراحمین! "أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَأَنْتَ رَبِّيْ" آپ تو کمزوروں کے رب ہیں اور میرے رب ہیں، بڑی تکلیف اور شدت جذبات سے آپ نے دعا کی اور فرمایا کہ "إلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ" آپ نے مجھے کس کے حوالہ کیا؟ "إلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ؟ أَمْ إلٰى عَدُوٍّ

مَلَّكْتَهُ أَمْرِيْ" ایسے دشمنوں کے حوالہ کر دیا جو مجھ سے بدکلامی اور ترش روئی سے پیش آرہے ہیں، چونکہ آپ ﷺ عبدیت میں کامل تھے اس لئے فرمایا کہ "إِنْ لَمْ تَكُنْ غَضْبَانَ عَلَيَّ فَلا أُبَالِي" اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، "غَيْرَ أَنَّ عَافِيَتَكَ أَوْسَعُ لِيْ" علاوہ اس کے کہ آپ کی عافیت وسیع ہے، اگر آپ عافیت عطا فرمادیں تو میرے لئے سہولت ہوگی۔ اس طرح کچھ کلمات آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ادا کئے تو حضرت جبرئیل پہاڑوں کے فرشتے کو لے کر آگئے، کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! اللہ نے آپ کی دعا سن لی، میرے ساتھ پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے، اگر آپ کہیں تو یہ پہاڑوں کو ملا دیں گے، جنہوں نے ستایا ہے ان کی پسائی ہو جائے گی، آپ تو رحمة للعلمین ہیں، آپ نے فرمایا کہ نہیں "لَعَلَّ اللهَ يُخْرِجُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَّعْبُدُهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا" (زاد المعاد ۳/ ۳۱) ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے بندوں کو پیدا کرے جو اللہ کی عبات کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور پاک ﷺ کی سیرت پر ایک بڑی عجیب کتاب لکھی ہے، چھوٹی سی کتاب ہے، بہت ہی پیارا اسلوب ہے، اس کا نام النبی الخاتم ہے، آپ اس کو ضرور پڑھیں، اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ جب حضور پاک ﷺ کو ستانے میں ان لوگوں نے حد کر دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے حالات اور رخ کو فوراً بدل دیا، اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ اے نبی اگر یہ لوگ آپ کی بات نہیں مانتے ہیں تو ٹھیک ہے ہم ایک دوسری قوم کو آپ کے پاس بھیجتے ہیں، وہ آپ کی بات سنے گی اور آپ پر ایمان لے آئے گی، چنانچہ آپ ایک مرتبہ فجر کی نماز میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے، اور جنات اس تحقیق میں نکلے تھے کہ انہیں آسمانوں میں جانے سے کیوں

روکا گیا؟ اور وہ گھوم رہے تھے کہ دیکھیں کیا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے ہمارا آسمانوں میں جانا بند ہو گیا، اسی دوران چلتے چلتے ایک مقام پر ان لوگوں نے یہ آواز سنی تو ٹھہر گئے اور اس کو سننے لگے، اور پھر کہنے لگے کہ یہی بات ہے جس کی وجہ سے ہمیں آسمانوں میں جانے سے روکا گیا ہے۔ اس وقت اللہ پاک نے آپ پر وحی بھیجی کہ جنوں کی ایک جماعت نے اس کو سنا اور ایمان لے آئے۔ (صحیح مسلم باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح: ۱۰۳۴)

اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا۔ قَالُوْا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰناً عَجَبًا۔ يَهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا'' (الجن: ۱ تا ۲)

''آپ (ان لوگوں سے) کہیے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنّات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا پھر (اپنی قوم میں واپس جاکر) انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے، جو راہِ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم (اب) اپنے رب کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہ بنائیں گے'' بس قرآن پاک سنا تو متاثر ہو گئے اور ایمان لے آئے، خود مسلمان ہو گئے، اور مُبلّغ بھی بن گئے، اس کے بعد چند مہینے ہی گزرے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب کو آسمانوں پر بلایا، اور معراج کروائی، اور سفر معراج سے آپ کو اعزاز بخشا، اور بتلایا کہ جس شخصیت کے ساتھ فرش پر تمہارا یہ رویہ ہے اس کا عرش پر یہ مقام ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہاں سے ایک دوسری ترتیب شروع ہو گئی، اور سرکار دو عالم ﷺ کی رفعت، عظمت اور محبوبیت کو بیان کیا گیا، تسخیر کائنات کا اظہار کیا گیا، مشرق و مغرب، شمال و جنوب آپ کے زیر اثر ہو گئے، بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں آپ اور آپ کے صحابہ کے حوالہ کر دئے گئے۔

روحانیت کے دو مرکز:

چونکہ بیت المقدس اس وقت تک یہودیوں کی تولیت میں تھا، لیکن اب بتلادیا گیا کہ وہ آپ کی تولیت میں آئے گا، بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کی یک شان ہے، اس کے کچھ راز ہیں، یہ دونوں روحانیت کے خاص مرکز ہیں ، بیت اللہ مرکزِ امن، مرکزِ عبادت، مرکزِ اخلاق ہے، بیت المقدس مرکزِ شان وشوکت ہے اور مرکزِ قوت ہے، دونوں جگہوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے نور کی تجلی ہوتی ہے، اس کی تفصیلات حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ''مقاماتِ مقدسہ'' میں موجود ہے، اگر کسی کو ذوق ہو تو اس کی تفصیل وہاں پڑھ سکتے ہیں، اللہ پاک کا ان کے ساتھ نظام کچھ اس طرح ہے کہ اگر یہ دونوں کسی کی تولیت میں ہوں گے تو مذہب اور قوت دونوں اس کے پاس ہوں گے، اور اگر کوئی ایک چیز ہوگی تو ایک پر کنٹرول (Control) رہے گا، تاریخ بھی یہی کہتی ہے، یہ ایک سیکریٹ (Secret) اور راز کی بات ہے، اگر آپ کہنے لگیں کہ حدیث میں اس کا ذکر کہاں ہے؟ ذرا بتایئے تو وہ آپ کو نہیں ملے گی، اولیاء اللہ کو جو روحانی علوم عطا کئے جاتے ہیں اور جس کا تکوین سے تعلق ہوتا ہے اس سے اس کا تعلق ہے، غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقع پر بیت اللہ سے بیت المقدس لیجانے میں اس جانب بھی اشارہ تھا کہ جیسے بیت اللہ مرکزِ اسلام اور مرکزِ امن ہے، اور جو مسلمانوں کی تولیت میں ہے ایسے ہی بیت المقدس کی تولیت بھی آپ کے سپرد ہوگی، چنانچہ اس کے بعد وہ مسلمانوں کے پاس آگیا، اور جب تک وہ مسلمانوں کے پاس رہا اس وقت تک مسلمانوں کا کنٹرول (Control) بھی پوری دنیا پر رہا، اور جب وہ نکل گیا تو مسلمانوں کا کنٹرول (Control) بھی کم ہونا شروع ہوگیا، اس کے کیا حقائق ہیں؟ اور کیا راز ہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ غرض اس واقعہ سے آپ کی محبوبیت اور آپ کے بلند مقام کو بتایا گیا۔

اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے کہا ہے:

"سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں"

کیا واقعۂ معراج روحانی تھا؟

پھر آپ کا یہ سفر جسم اطہر اور روح مبارکہ کے ساتھ بحالتِ بیداری پیش آیا۔ یہی جمہور علماء فقہاء محدثین اور متکلمین کا مذہب ہے۔ (عمدۃ القاری: باب مناقب الانصار: باب حدیث الاسراء، ۲۵/۶۷۔ وفتح الباری: ۷/۱۹۶)

فزیکل باڈی (Body) کے ساتھ آپ ﷺ کو معراج ہوئی ہے، اگر یہ خواب ہوتا اور آپ یہ فرماتے کہ میں روحانی اعتبار سے سفر کرکے آیا ہوں، تو اس میں تعجب کی کیا بات تھی؟ اور اس کا کوئی انکار بھی نہیں کرتا، کیونکہ خواب میں آدمی بہت کچھ دیکھ سکتا ہے، اس واقعہ کو صبح جب آپ ﷺ نے مشرکین سے بیان فرمایا کہ رات میں میرے ساتھ ایسے ایسے واقعہ پیش آیا تو مشرکین مکہ کو بہت تعجب ہوا، انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب ہمارا کام بن جائے گا، کیونکہ وہ حضور ﷺ کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرنا چاہ رہے تھے، اس موقع پر انہیں یقین تھا کہ اس میں وہ کامیاب ہوجائیں گے، لوگوں کو آپ ﷺ سے توڑنا آسان ہوجائے گا، کیونکہ عقلاً ان کے نزدیک ممکن ہی نہیں تھا کہ آپ مہینوں کی مسافت چند منٹوں میں طے کرلیں، چنانچہ ابو جہل اور دوسرے اشرار آپ کا مذاق اڑانے لگے، بلکہ بعض تو تالیاں بجانے لگے اور بعض سر پکڑ کر بیٹھ گئے کہ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے! (سنن نسائی: ۱۱۲۸۵ ومسند احمد: ۲۸۷۳) اور پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ کیا کہہ رہے ہیں؟ مشرکین نے کہا وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گئے اور واپس آگئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر وہ کہہ رہے ہیں

تو اس میں شک کی کیا بات ہے؟وہ سچے ہیں!" إِنِّيْ لَأُصَدِّقُهُ فِيْمَا هُوَ اَبْعَدَ مِنَ ذٰلِکَ" (مستدرک حاکم:کتاب معرفۃ الصحابہ:۴۴۰۷) میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب بات پر یقین رکھتا ہوں کہ صبح وشام ان کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں،جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تصدیق کی تو ان کا لقب یہیں سے صدیق پڑ گیا۔(حوالۂ سابق)اگر ساتویں آسمان سے فرشتہ دن میں پچاسوں مرتبہ ان کی خدمت اقدس میں خادم بن کر حاضر ہوتا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ مخدوم ان کے پاس جاسکے،یہ کیوں بعید ہے؟اگر مخدوم کو سفر کرادیا جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟یہ ہے ایمان کی مضبوطی،آدمی کا ایمان ایسا ہو کہ کہیں پر بھی اس کے ایمان کو کمزور نہ کیا جاسکے،اور ان نہ بیچا جاسکے،اور مسلمانوں کا اس وقت سب سے بڑا پرابلم(Problem) یہی ہے،سب میں ایمان کی کمزوری ہے،پھر سارے مشرکین جمع ہوگئے اور آپ ﷺ سے سوالات کرنے لگے کہ جب آپ وہاں گئے تھے تو وہاں کے کچھ احوال ہم کو بتلایئے،تاکہ ہم دیکھیں کہ آپ سچے ہیں یا جھوٹے؟بیت المقدس کی ہیئت کیسی ہے؟اس کی تعمیر کیسی ہے؟اور پہاڑ سے وہ کتنا قریب ہے؟اور قوم میں سے کس نے اس کا سفر کیا ہے؟(سبل الہدیٰ والرشاد:۹۴/۳)بیت المقدس کے کتنے دروازے ہیں؟اس کی کتنی کھڑکیاں ہیں؟آپ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت بہت حیرانی ہوئی کہ کیسے جواب دوں؟کیونکہ آپ بیت المقدس دیکھنے کے لئے نہیں بلکہ امامت کے لئے تشریف لے گئے تھے،اور اس سے پہلے کبھی آپ بیت المقدس تشریف بھی نہیں لے گئے تھے،اسی کشمکش میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کی آنکھوں کے سامنے کردیا،آپ اس کو دیکھنے لگے اور گن گن کر دروازے بتانے لگے،جب آپ نے اس کی صفت،ہیئت اور تعمیر بتائی تو کہنے لگے کہ "اَمَّا النَّعْتُ فَوَ اللّٰہِ لَقَدْ اَصَابَ" جو صفت انہوں نے بتائی ہے اللہ کی قسم وہ تو صحیح ہے۔(حوالۂ سابق وسنن نسائی:۱۱۲۸۵) پھر آپ نے راستے کے واقعات بھی بتائے کہ راستہ میں مجھے فلاں

قافلہ ملا، اور فلاں قافلہ کا اونٹ گم ہو گیا، اور میں نے فلاں قافلہ والوں کے پیالے سے پانی پیا، پھر انہوں نے سوال کیا کہ وہ کب آئیں گے؟ تو آپ نے کہا کہ چہار شنبہ کے دن آئیں گے، مشرکین نے جب تحقیق کی تو آپ کو بالکل سچا پایا، اب کوئی بہانہ ہاتھ نہ رہا تو کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ ان حالات سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ جسمانی تھا، روحانی نہیں، اگر یہ واقعہ روحانی ہوتا اور خواب میں پیش آتا تو یہ لوگ اتنے سوالات نہ کرتے، حیرت اور تعجب کا اظہار نہ کرتے، کیونکہ آدمی خواب میں بہت کچھ دیکھتا رہتا ہے اس لئے کوئی تعجب کی بات نہ ہوتی۔ (حوالۂ سابق وسنن نسائی: ۱۱۲۸۵)

اور اس کے بعد آپ صرف بیت المقدس تک ہی نہیں بلکہ ساتوں آسمانوں اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ سے ہوتے ہوئے بارگاہِ رب العالمین میں پہنچے، اللہ پاک سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، پھر جنت اور دوزخ کا مشاہدہ فرمایا، پھر وہاں سے واپسی میں حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی، پھر نمازوں میں تخفیف کے لئے کئی مرتبہ آنا جانا ہوا، عقل حیران ہے کہ آپ ﷺ نے رات کے اس مختصر سے حصے میں اس سفر کو کیسے طے کیا؟ ؟ حتیٰ کہ بعضوں نے تو ایسی چیزوں کو دیکھ کر اس واقعہ کا انکار تک کر دیا، جو دراصل رب ذوالجلال کی قدرت کا انکار ہے، اس کا منکر صرف وہی ہو سکتا ہے جسے حق تعالیٰ کی قدرت پر یقین نہ ہو، ویسے صوفیہ نے مادی مثالوں کے ذریعے بھی ان کے اشکالات کا جواب دیا، اور مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا۔

واقعۂ معراج زمان ومکان کے تناظر میں :

ایک بزرگ نے واقعۂ معراج کو سمجھانے سے پہلے زمان ومکان کی بڑی اچھی بحث کی ہے، بالخصوص یہ واقعہ زمان اور مکان سے بھی تعلق رکھتا ہے، اس لئے اس بحث کو اچھے انداز میں سمجھایا، مکان کی بحث فلسفہ میں پڑھائی جاتی ہے، ابتدائی کتابوں میں تو صرف

اس کی تعریف آتی ہے، چونکہ فلسفۂ قدیم میں جو علم کلام کرنے والے اور سائنسداں تھے ان کے کچھ افکار اسلام سے ٹکراتے تھے، اور ان کے اسلام پر کچھ اعتراضات تھے، اس کے جواب کیلئے ان کو جاننا بھی پڑتا ہے، اور سمجھانا بھی پڑتا ہے، اس لئے کچھ بحثیں اس کو سمجھانے کے لئے بھی کی گئی ہیں، اور اس کو سمجھنے سے نہ صرف معراج کے حقائق بلکہ بہت سی حدیثوں کے مطلب سمجھنے میں بھی آسانی ہوتی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے کائنات میں بے شمار چیزیں بنائی ہیں، اور ہر ایک کی خصوصیت بالکل الگ الگ رکھی ہے، ان کے احوال بالکل الگ الگ ہیں، ان کے مکان بالکل الگ ہیں، جیسے مثال کے طور پر زمین، پانی، ہوا، آگ، روشنی، ان چیزوں میں آپ غور کریں گے تو ہر چیز کا مکان آپ کو الگ الگ ملے گا، آپ کو ہر چیز کی جگہ الگ الگ نظر آئے گی، ہاں یہ بات ہے کہ کسی کا مکان کثیف ہوگا اور کسی کا لطیف، کسی میں کثافت کم تو کسی میں زیادہ ہوگی، اور کسی میں لطافت کم ہوگی تو کسی میں زیادہ ہوگی، اور جس میں کثافت جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی وہ زمان و مکان کا محتاج ہوتا ہے، سرایت اور نفوذ اس کے لئے اتنا ہی مشکل ہوتا ہے، جیسے ہماری اور زمین کی مثال ہے، دونوں میں کثافت زیادہ ہے، جس کا اثر یہ ہے کہ ہم فی الحال ایک جگہ ہوں گے تو دوسری جگہ نہیں ہوں گے، مسجد میں ہیں تو آفس میں نہ ہوں گے، آفس میں ہوں گے تو مسجد میں نہ ہوں گے، اسی طرح چونکہ ہم میں کثافت ہے اس لئے اگر ہمارے سامنے دیوار ہو تو ہم اس کو پار نہیں کرپائیں گے، اس کو اولاً ہٹانا ہوگا تب ہم آگے جاسکیں گے، اس سے ہٹ کر اگر آپ پانی میں جائیں تو پانی بھی ایک مکان ہے، لیکن اس کو آپ پار کر پائیں گے، کیونکہ اس میں زمین اور دیوار کے مقابلہ میں لطافت زیادہ ہے، دیوار کو آپ پار نہیں کرپائیں گے لیکن پانی کو پار کرپائیں گے، زمین میں تو آپ نفوذ نہ کرپائے لیکن پانی میں کرپائیں گے، یہ لطافت اور کثافت کا فرق آپ کو

زمین اور پانی میں محسوس ہوتا ہے، لیکن اگر آپ اسی زمین میں پانی ڈال دیں تو پانی زمین میں نفوذ کر جائے گا، ہم تو نفوذ نہ کر پائے لیکن پانی کر پائے گا، کیونکہ پانی میں ہمارے مقابلہ میں لطافت زیادہ ہے، کیونکہ لطیف چیز کو زمان و مکان کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی، اور جو چیز جتنی زیادہ لطیف ہوتی ہے اتنا ہی وہ بے نیاز ہوتی ہے، اتنا ہی وہ غیر محتاج ہوتی ہے، اتنا ہی وہ زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہوتی جاتی ہے۔ اتنا ہی مادیات اور اجسام کے حجاب اور رکاوٹ سے وہ بے نیاز ہوتی ہے، اتنا ہی وہ وقت سے بے نیاز ہوتی ہے۔

اس سے آگے اگر آپ ہوا کو دیکھیں تو وہاں بات کچھ اور ہو گی، ہوا زمین اور پانی کے مقابلہ میں اگرچہ زیادہ لطیف ہے، لیکن اس میں بھی کچھ کثافت ہوتی ہے، جس کا اندازہ اس طرح کرنا آسان ہو گا کہ جیسے اگر ایک کمرہ میں پہلے سے ہوا ہے اور دوسری ہوا اس میں لانا ہو تو پہلے اس موجود ہوا کو خالی کرنا ہو گا، تب دوسری ہوا اس میں آئے گی، جیسے غبارہ اگر ہوا سے بھرا ہوا ہو اور آپ اس کو پھونکیں تو آپ کی ہوا اس میں نہیں جائے گی، جب تک کہ پہلی ہوا کو اس میں سے خالی نہ کیا جائے، اس سے پتہ چلا کہ ہوا میں لطافت زیادہ ہے لیکن وہ بھی کثافت سے خالی نہیں، اس میں بھی کثافت ہے، اس کا بھی ایک جسم ہے، ہوا سے زیادہ لطیف روشنی ہے، آپ کسی کمرہ کو یا غبارہ کو یا کسی اور چیز کو ہوا سے بھر دیں، اس کے بعد بلب جلا دیں تو وہ ہوا کو ڈسٹرب (Disturb) نہیں کرے گا، اس کو ڈسٹرب کئے بغیر روشنی اس ہوا میں اپنا مکان بنالے گی، اس سے پورا کمرہ اور پورا غبارہ روشن ہو جائے گا، ایسے ہی پانی میں بھی وہ اپنا مکان بنالے گی، پتہ چلا کہ روشنی ہوا اور پانی سے بھی زیادہ لطیف ہے، اس میں جتنی روشنی آپ جلائیں گے اتنا اجالا ہو گا، کوئی تنگی نہیں ہو گی، اور اس میں ایسی کوئی حد نہیں آئے گی کہ روشنی نفوذ نہ کر پائے، یہ روشنی ہوا اور پانی میں تو نفوذ کر پائے گی لیکن دوسری چیزوں میں نہیں۔

کھڑکی ہوا کو تو روک دے گی، لیکن روشنی کو نہیں روکے گی، کیونکہ ہوا میں لطافت روشنی کے مقابلہ میں کم ہے اس لئے کھڑکی ہوا کو روک دے گی روشنی کو نہیں، ہاں دیوار، ہوا اور روشنی دونوں کو روک دے گی، یہ دونوں اگرچہ لطیف ہیں لیکن دیوار بہت کثیف ہے، ایسے ہی آگ ہے، بہرحال یہ لطافت اور کثافت کا فرق ہے کہ جو جتنا زیادہ لطیف ہوتا ہے اس کا مکان اتنا وسیع ہوتا ہے، اور اتنا وہ زمان اور مکان کی قید کا محتاج نہیں ہوتا، اور جس میں جتنی زیادہ کثافت ہوتی ہے اس کو اتنا وقت بھی درکار ہوتا ہے، جیسے ہم کو اگر دو کلو میٹر دور جانا ہو تو ہم گاڑی کے ذریعہ معتدل رفتار سے مثلاً دو منٹ میں یہ فاصلہ طے کریں گے، لیکن کیا ہوا کو بھی دو منٹ لگیں گے؟ نہیں! بلکہ وہ اور کم وقت میں اس فاصلہ کو طے کرلے گی، ایسے ہی پانی ہے، اس کی بھی تیزی کچھ اور ہے، ایسے ہی روشنی ہے وہ تو ہوا سے بھی زیادہ تیز اس فاصلہ کو طے کرلے گی، کیونکہ اس میں ان کے مقابلہ میں لطافت زیادہ ہے، یہ مثالیں تو میں نے کثیف، مادی اور جسمانی چیزوں کی دی ہیں۔

اس کے بعد روحانیات کا مکان شروع ہوتا ہے، اس روحانیت میں آسمانی مخلوقات اور فرشتے آتے ہیں، اور فرشتوں میں بھی درجات ہیں، اور ہر ایک کا مقام الگ الگ ہے، قرآن پاک میں ہے: ”وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ“ (الصافات: ۱۶۴) فرشتے کہتے ہیں کہ ”ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے، اور ہر ایک کا ایک ٹھکانہ مقرر ہے، اور ان میں بھی ایسی قسمیں ہیں کہ ایک قسم کے فرشتے دوسرے فرشتوں کو دیکھ نہیں پاتے، معراج میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر سدرۃ المنتہیٰ پہنچے تو کہا کہ بس! یہ ہمارا مقام ہے، ہماری حد یہاں تک ہے، اس سے آگے ہم نہیں جاسکتے، اب آپ یہاں سے آگے تشریف لے جائیں، اس کے بعد جب آپ آگے تشریف لے گئے اور ستر ہزار حجابات کو پار کیا تو ایک فرشتہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کے زبان اور لہجہ میں بول رہا تھا، چونکہ صدیق اکبر ﷺ سے آپ کو بہت انس تھا اس لئے جب آپ کو وہاں تنہائی محسوس ہوئی تو اللہ پاک نے فرشتے سے بات کروائی، معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل سے بھی آگے دوسرے فرشتوں کا مقام ہے، حاملینِ عرش یعنی عرش کے اُٹھانے والے فرشتے بھی ہیں، وہ حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل سے مختلف ہیں، اور بعض روایات میں ہے کہ بعض فرشتوں کو دیکھ کر حضرت جبرئیل نے کہا تھا کہ اس فرشتے کو میں نے پہلی دفعہ دیکھا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتوں میں بھی ایسی اقسام ہیں جو دوسرے فرشتوں سے مخفی اور پوشیدہ ہیں، یہ روحانی مخلوق ہیں، مادیات اور جسمانیات سے پاک ہیں، ان میں لطافت ہی لطافت ہے، اس لئے زمان و مکان ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، جس بھیس میں چاہے آجائیں، جس شکل میں چاہے آجائیں، چھت پھاڑ کر آنا چاہیں تو چھت پھاڑ کر آجائیں، اور بغیر چھت پھاڑے آنا چاہیں تو بغیر چھت پھاڑے آجائیں، دیوار چھت وغیرہ کوئی چیز ان کے لئے حائل نہیں ہوتی، آسمان سے زمین اور زمین سے آسمان آنے جانے کے لئے انہیں وقت درکار نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں لطافت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور جس میں جتنی لطافت ہوتی ہے اتنا ہی وہ مادیات سے پاک اور مستغنی ہوتا ہے، مادیات اور جسمانیات ان کے لئے حائل نہیں ہوتے، دیوار میں سے نکلنا ان کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوتا، جیسے روشنی بغیر کسی دشواری کے ہوا اور پانی میں نفوذ کرتی ہے، یہی حال ان کا ہوتا ہے، جیسے فضا میں آنا جانا ہوتا ہے ایسے ہی دیوار میں سے بھی آنا جانا ہوتا ہے۔ ایسے ہی انسان کی روح ہے جو فرشتوں سے بھی زیادہ لطیف ہوتی ہے، وہ ان مادی چیزوں سے اور آگے کی چیز ہے، اور جن چیزوں کے مکان کی یہ کیفیت ہوتی ہے، ان کا زمان یعنی ٹائم اور وقت بھی ویسا ہی ہوتا ہے، اس کی ایک مثال اس سے پہلے دی گئی ہے کہ انسان اگر سفر کرے تو

پانچ کلو میٹر پانچ منٹ میں طے ہوں، ہوا سفر کرے تو چند سکنڈس میں اس کو طے کرلے اور روشنی سفر کرے تو ہوا سے بھی زیادہ جلدی اس کو طے کرلے، جب سورج نکلتا ہے تو اس کی روشنی کتنی جلدی زمین پر آجاتی ہے، سائنسدانوں نے لکھا ہے کہ ۸ منٹ میں سورج کی روشنی زمین پر پڑتی ہے، روشنی کے اور ہوا کے زمانہ میں کوئی مناسبت نہیں ہے، اگر مشرق میں سورج نکلتا ہے تو فورا مشرق و مغرب دونوں اس کی روشنی سے منور ہو جاتے ہیں، یہ تو ایک مادی اور جسمانی مثال ہے، اب جو روحانی چیزیں ہوتی ہیں ان کی سرعت کا آپ اندازہ لگائیے، کثیف چیزیں ہزاروں سال میں جو چیزیں کرتی ہیں، لطیف چیز منٹ اور سیکنڈ میں اس کو انجام دے دیتی ہیں، اس کیلئے لمحوں کی بات ہوتی ہے، اس کیلئے ماضی اور مستقبل سمٹ جاتا ہے، اگر آپ اس مضمون کو کچھ سمجھ لیں تو واقعۂ معراج اور اس کی رفتار کو سمجھنا اور اس کی اس سرعت کو سمجھنا بھی نسبتا آسان ہو جاتا ہے، اور اس طرح کی جو احادیث اور واقعات ہیں ان کا سمجھنا بھی آسان ہوتا ہے، حضور پاک ﷺ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جنت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا، اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں دیکھا، جب کہ مچھلی کے پیٹ کا واقعہ ہزاروں سال پہلے کا ہے اور حضرت عبد الرحمن کا جنت میں جانے کا واقعہ ہزاروں سال بعد کا ہے، ان میں کیا جوڑ ہے؟ علماء اس کی مختلف توجیہات کرتے ہیں، وہ بالکل صحیح ہیں، لیکن باری تعالیٰ کی اس قدرت کو مد نظر رکھا جائے تو معاملہ کچھ اور نظر آئے، کیوں کہ اللہ کے لئے وقت اور ٹائم کی کوئی حیثیت نہیں، کوئی حجاب نہیں، بلکہ وقت کو خود انہوں نے بنایا ہے، آپ علیہ السلام نے جنت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی چاپ سنی تو فرمایا:

"یَابِلَالُ بِمَ سَبَقْتَنِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّۃَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَکَ

اے بلال! کس چیز کے ذریعہ تم نے مجھ سے جنت میں سبقت کی؟ میں جب بھی جنت میں داخل ہوا تو میں نے تمہارے چلنے کی آواز سنی، تو حضرت بلال نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے جب کبھی بھی اذان دی تو میں نے دو رکعت نماز ادا کی، اور جب بھی مجھے حدث لاحق ہوتا ہے تو میں وضو کرتا ہوں اور اپنے اوپر دو رکعت لازم سمجھتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ اسی وجہ سے اللہ نے تمہیں یہ سبقت عطا فرمائی ہے۔(سنن ترمذی:باب ماجاء فی مناقب عمر رضی اللہ عنہ:۴۰۵۳وصحیح بخاری: ۴۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آواز سن رہے ہیں جب کہ وہ دنیا میں ہیں، ایسا کیوں؟ اس لئے کہ اللہ پاک وقت کے پابند نہیں ہیں، وہاں زمان و مکان کا مسئلہ نہیں ہے، ہر چیز زمان و مکان سے منزہ ہو کر سامنے موجود ہوتی ہے، غرض آپ نے اس رات مستقبل کے کئی مناظر دیکھے، اور ہزاروں سال کی مسافت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر سے وقت میں انتہائی سرعت کے ساتھ طے کیا، اور یہ جب مادی دنیا میں مخلوقِ خدا سے ممکن ہے تو کیا خالق اس پر قادر نہیں ہے؟ جیسے مخلوقات میں اس کی نظیریں ہمارے سامنے ہیں تو اس پر ہمیں اشکال اور اعتراض کیوں؟ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نظام اور مخلوقات کے ساتھ رکھا ہے تو اپنے محبوب کے ساتھ کیوں مشکل ہے؟ اسی کو سمجھانے کے لئے صوفیہ نے زمان و مکان کی جو بات لکھی ہے اس کی کچھ وضاحت کی گئی کہ روحانی چیزوں کے لئے کسی مکان کی ضرورت نہیں ہوتی، کسی وقت کی ضرورت نہیں ہوتی، زمان و مکان ان کے لئے سمٹ جاتے ہیں، اس سے وہ بے نیاز ہو جاتے ہیں، سارے حجابات ختم ہو جاتے ہیں، یہی مطلب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی روح کو سواری بنانے کا، یہ سب اللہ پاک کی قدرت کا ظہور ہے، اسی کی اجازت، اسی کے منشا اور اسی کے ارادہ سے یہ سب کچھ ہوتا ہے، اس کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں ہے۔

یہودیت، نصرانیت اور دنیا کی پکار:

غرض جب آپ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ تشریف لے جانے لگے تو آپ نے فرمایا کہ ایک پکارنے والے نے مجھے سیدھی جانب سے پکارا، اور کہا کہ اے محمد! رک جاؤ، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نہیں رکا، اور آگے چل دیا، کچھ دور جانے کے بعد پھر ایک پکارنے والے نے بائیں جانب سے مجھے ندا دی اور کہا کہ اے محمد! رک جاؤ، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے، آپ رکے بغیر آگے چل دیے، پھر ایک عورت نے سامنے سے بناؤ سنگھار کرکے سج دھج کر میرا استقبال کیا، اور قریب تھا کہ وہ مجھ پر چھا جائے، اس نے کہا کہ اے محمد! میری طرف دیکھو، مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے، لیکن میں اس کے پاس بھی نہیں ٹھہرا، بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل امین نے مجھ سے کہا کہ آگے چلئے، جب میں آگے بڑھ گیا تو میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ تھے؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

"ذَاکَ دَاعِي الْیَهُوْدِ لَوْ کُنْتَ عَرَّجْتَ عَلَیْهِ لَتَهَوَّدَتْ اُمَّتُکَ"

سیدھی طرف سے آپ کو بلانے والا یہودیت کا داعی تھا، اگر آپ اس کا جواب دیتے، اور اس کی طرف مڑتے، اور اس کی طرف مائل ہوتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی۔

"ذَاکَ دَاعِي النَّصَارٰی لَوْ کُنْتَ عَرَّجْتَ عَلَیْهِ لَتَنَصَّرَتْ اُمَّتُکَ"

اور بائیں طرف سے بلانے والا نصرانیت کا داعی تھا، اگر آپ اس کا جواب دیتے، اس کی طرف مڑتے، اور اس کی طرف مائل ہوتے تو آپ کی امت عیسائی اور نصرانی ہو جاتی، اور سامنے سے بلانے والی عورت دنیا تھی۔

"اَمَا اِنَّکَ لَوْ اَجَبْتَهَا لَاخْتَارَتْ اُمَّتُکَ الدُّنْیَا عَلَی الْآخِرَةِ"

اگر آپ اس کے بلانے پر متوجہ ہو جاتے تو آپ کی امت خالص دنیا پرست ہو جاتی،

اور دنیا کے مقابل میں آخرت کو ترجیح دیتی۔(دلائل النبوۃ للبیہقی:۶۷۴،ومسند الحارث:۲۷)

یہ حدیث بہت لمبی ہے،اس کا ایک جزء میں نے آپ کو سنایا ہے،اس میں بڑی عبرتیں ہیں، مسلمان اگر یہودیت کی طرف جھک گیا تو وہ مسلمان نہیں رہا،ایسے مسلمان کی موت ان کی طرف مائل ہونے سے ہزار درجہ بہتر ہے، مسلمان اگر عیسائیت کی طرف متوجہ ہو گیا تو ایسے مسلمان کی موت ہزار درجہ بہتر ہے ان کی طرف مائل ہونے سے۔

نبی کریم ﷺ کا فیضانِ خاص:

یہاں ایک راز کی بات سمجھیں،وہ یہ ہے کہ حدیث میں کہا گیا کہ حضور ﷺ ان دو آدمیوں کی جانب اور اس عورت کی جانب متوجہ نہیں ہوئے، کیوں؟اس لئے کہ اگر آپ اس طرف مائل ہو جاتے اور متوجہ ہو جاتے تو آپ کی امت بھی یہودیت کی طرف مائل ہو جاتی، یا عیسائیت کی طرف مائل ہو جاتی، یا دنیا پرست ہو جاتی، جب کہ وہاں امت موجود ہی نہیں تھی،اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور یہ اشارہ ملتا ہے کہ نبی کا فیض ہر امتی کو ملتا ہے، فیضانِ نبوت کی کرنیں،انوارات اور شعاعیں اُمتیوں کے قلوب کے ساتھ جڑی ہوئی ہوتی ہیں،اصل میں نبی کی خواہش، نبی کا ارادہ امت سے جڑا ہوا ہوتا ہے،اگر آپ متوجہ ہو جاتے تو امت یہودی یا عیسائی یا دنیادار ہو جاتی،اس میں بڑی خوشخبری ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پوری کی پوری امت کسی ایک طرف بھی قیامت تک نہیں ڈھل سکتی،ہاں کچھ لوگوں کا میلان ہو سکتا ہے لیکن پوری امت کا میلان نہیں ہو سکتا،چاہے کتنے ہی سخت حالات کیوں نہ ہوں، کتنا ہی پریشر (Pressure) کیوں نہ ہو، پوری کی پوری اُمت پورا دین نہیں بیچ سکتی، افراد بکتے رہیں گے، لیکن پوری امت کبھی اپنے دین کو نہیں بیچے گی، چاہے کوئی پسند کرے چاہے

کوئی نہ کرے، چاہے انہیں لائک (like) کیا جائے یا نہ کیا جائے، رِسپانس (response) دیا جائے یا نہ دیا جائے، عزت کی جائے یا بے عزتی کی جائے، ڈرایا جائے اور دھمکایا جائے یا امن اور اطمینان کے ماحول میں رکھا جائے، پوری امت کبھی اپنے ایمان کا سودا نہیں کرے گی، یہ حضور پاک ﷺ کا فیضان ہے۔

یہودیت کی بنیادی گمراہی:

دوسری بات یہ ہے کہ اُمت کے یہودی یا عیسائی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ سورہ فاتحہ میں یہودیت اور عیسائیت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ گمراہ ہیں، مقہور اور غضب الٰہی کا شکار ہیں، ان کی ایک بڑی گمراہی اللہ کے حکموں کو جاننے کے باوجود توڑنا، مروڑنا اور اپنے منشا کے مطابق اس میں تحریف کرکے امت کے سامنے پیش کرنا ہے، یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، کتابوں میں موجود ہے، یہ یہودیت کا خاصہ ہے، یا مونوگرام یا پہچان یا طرۂ امتیاز ہے، جو نام آپ دینا چاہیں دے سکتے ہیں، ”وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ“ (آلِ عمران:۷۸)

”اور بیشک ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ہیں جو کتاب (یعنی تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں تاکہ تم لوگ اس (ملائی ہوئی چیز) کو (بھی) کتاب کا جزو سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے ہے، حالانکہ وہ (کسی طرح) خدا تعالیٰ کے پاس سے نہیں اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ جانتے ہیں“

یہودیت میں اپنی خواہشات، اپنے اغراض اور اپنی مصلحتوں کی وجہ سے دین کو تبدیل (Modify) کرنا ہوتا ہے، یہ بات امریکہ میں بہت ہوتی ہے، امریکہ کے

مسلمان اس معاملہ میں بہت آگے ہیں، جو اپنے اغراض اور اپنی خواہش کے مطابق تبدیل کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں: ”هُوَ مِنْ عِنْدِاللهِ“ یہ اللہ کا حکم ہے، اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ ”وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ“، حالانکہ وہ اللہ کا حکم نہیں ہوتا ہے، اصولی طور پر یہ بات ذہن میں رکھیں کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ کا وہی مطلب معتبر ہے جو علماء بیان کریں، غیر علماء، دنیوی اسکالرز، ڈاکٹرز اور انجینیرز اپنی طرف سے دین کی جو تشریح اور توضیح کریں گے وہ غیر معتبر ہوگی، کیونکہ علماء کی تشریح اسلاف، تابعین، صحابہ اور نبی سے منقول ہوتی ہے، اور چودہ سو سالوں سے ان کی وہی تشریح کی جاتی رہی ہے، اب اگر کوئی اس کے خلاف من مانی اور من گھڑت تشریح کرتا ہے تو یہ امت کو گمراہ کرنا اور اس میں تفرقہ پیدا کرنا ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں نبی نے فرمایا: ”مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ“ (سنن ترمذی: کتاب التفسیر: ۳۲۰۴) جو قرآن میں بغیر علم کے اپنی طرف سے کوئی بات کرے گا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ ایسا کرنے والے یہودیت کا طرز اختیار کرتے ہیں، کیونکہ یہ یہودیوں کا خاصہ ہے، ایسے لوگوں سے دور رہنا چاہئے۔

عیسائیت کی بنیادی گمراہی:

دوسری چیز حضور پاک ﷺ نے یہ فرمائی کہ اگر میں بائیں جانب والے آدمی کی طرف متوجہ ہوتا تو میری امت عیسائی ہو جاتی، اس کا مطلب کیا ہے؟ سورہ فاتحہ میں عیسائیت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا گیا ”وَلَا الضَّالِّينَ“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ "وَلَا الضَّالِّينَ" سے مراد عیسائی ہیں، (تفسیر ابن عباس: ۲/۱) اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ لاعلمی بلکہ یوں کہیے کہ حق کی تحقیقات نہ کرکے گمراہی کو صحیح سمجھ کر عمل کرنا عیسائیت ہے۔

یہودی بدتر ہیں یا عیسائی:

”غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ “میں یہودیت اور عیسائیت کی ترجمانی کی گئی ہے، ویسے تو یہ دونوں گمراہ ہیں اور رب ذوالجلال کے غضب کے مستحق ہیں، لیکن ان میں بھی سخت گمراہ یہودی ہیں، بعض لوگ عقیدۂ تثلیث کی وجہ سے عیسائیت کو اشد کہتے ہیں لیکن علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ یہودی، عیسائیوں کے مقابلہ میں، کفر میں، عناد میں، خباثت میں، فساد میں اور عداوت میں زیادہ ہیں اور اسی وجہ سے اللہ پاک نے ان کے بارے میں فرمایا: ”ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الذِّلَّۃُ وَ الۡمَسۡکَنَۃُ“ (البقرۃ: ۶۱) کہ جم گئی ان پر ذلت اور پستی، اور نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا: ”مَنۡ لَمۡ تَکُنۡ عِنۡدَہٗ صَدَقَۃٌ فَلۡیَلۡعَنِ الۡیَہُوۡدَ “(کنز العمال: ۴۱۶۳۴)

جس کے پاس صدقہ کرنے کیلئے کوئی چیز نہ ہو تو چاہیے کہ وہ یہودیوں پر لعنت کرے۔ اور اسی وجہ سے اللہ پاک نے براہِ راست ان پر غضب اور لعنت اور ان کی صورتوں کے مسخ کرنے کا ذکر کیا، نیز ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کے علاوہ حضرت عیسیٰ کا بھی انکار کیا، جب کہ عیسائی صرف آپ علیہ السلام کے منکر ہیں، اور پھر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی بدتمیزی اور گستاخی کی ہے، چنانچہ ان لوگوں نے کہا:

”اِنَّ اللّٰہَ فَقِیۡرٌ وَّ نَحۡنُ اَغۡنِیَآءُ“ (آل عمران: ۱۸۱) ”اللہ تعالیٰ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں“

”وَ قَالَتِ الۡیَہُوۡدُ عُزَیۡرُۨ ابۡنُ اللّٰہِ“ (التوبۃ: ۳۰) ”اور یہود (میں سے بعض) نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں“

”یَدُ اللّٰہِ مَغۡلُوۡلَۃٌ“ (المائدۃ: ۶۴) ”اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے“ غرض ان وجوہات کی بنیاد پر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہودیوں کو سب سے بدتر قرار دیا ہے۔“ (روح المعانی: ۱/۷۷)

بہر حال آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں بائیں جانب متوجہ ہوتا اور ان کا جواب دیتا تو میری امت عمومی طور پر جہالت اور ضلالت کا شکار ہو جاتی، مجموعی امت اس لئے کہہ رہا ہوں کہ پچھلی امتوں میں پوری کی پوری اُمت کے ساتھ یہ حال ہوا ہے کہ وہ مکمل طور پر راہِ حق سے ہٹ گئیں، لیکن اس امت کے ساتھ ایسا نہیں ہو گا کہ وہ مکمل طور پر کسی باطل دین کی طرف مائل ہو جائیں، یا کسی گمراہی میں مبتلا ہو جائیں۔

مال پرستی یہودیت اور حسن پرستی عیسائیت ہے:

تیسری چیز آپ ﷺ نے بیان فرمائی کہ اگر میں سامنے والی خاتون کی طرف متوجہ ہوتا اور اس کا جواب دیتا تو میری اُمت دنیا پرست ہو جاتی، آدمی دنیا میں یہی چاہتا ہے کہ کسی طرح کامیابی مل جائے، اسکالرشپ (Scholarship) مل جائے، دنیا کی نوکری مل جائے، چاہے نام بدلنا پڑے، چاہے مذہب بدلنا پڑے، چاہے سب کچھ چینج (change) کرنا پڑے، سب کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے، اور اس کی حقیقت بھی در اصل یہودیت اور عیسائیت ہے، کیونکہ جس کی بنیاد مال پر ہوتی ہے وہ یہودیت کہلاتی ہے اور جس کی بنیاد حسن پر ہوتی ہے وہ عیسائیت کہلاتی ہے، حسن پرستی، عورت پرستی اور عیاشی کا نام عیسائیت اور نصرانیت ہے، اور مال کے پیچھے پڑ جانا، اور اسی کو مقصود اور سب کچھ سمجھنا، اور اس کی کمائی ہی کی فکر میں رہنا یہودیت ہے۔

قربِ قیامت عورت اور مال لوگوں کا قبلہ ہوں گے:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا:

”قِبْلَتُهُمْ نِسَاؤُهُمْ وَدِيْنُهُمْ دَرَاهِمُهُمْ وَدَنَانِيْرُهُمْ“ (کنز العمال: کتاب الفتن والأهواء والاختلاف من قسم الأقوال: ۳۱۱۸۶)

کہ لوگوں کا قبلہ عورتیں ہوں گی، اور ان کا دین ان کے دینار اور دراہم ہوں گے، اسی کو

کمانے اور حاصل کرنے کی فکر ہو گی، اور اپنی ساری زندگی اسے کمانے اور گنوانے میں لگادیں گے، اور اسی کو اپنا مقصود سمجھیں گے، اور پھر مرد عورت کے تابع ہو کر اس کے اشاروں پر چلے گا، عورت کہہ رہی ہے خرچ کرو تو کریں گے، اور خرچ کرنے سے منع کرے تو رک جائیں گے، کتنے لوگوں سے ادارہ کے لئے تعاون کی اپیل پر ہم نے یہ سنا ہے کہ "ذرامیں گھر والی سے پوچھ کر آپ کو بتاؤں گا" کیونکہ اکاؤنٹ اس کے پاس ہے، سب اسی کی نگرانی میں ہے، ہر کام ان سے پوچھ کر ان کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے، مرد متبوع کے بجائے اس کا تابع بنا نظر آتا ہے۔

میرے دوستو! یہ یہودیت اور نصرانیت کا طور طریق ہے، یہ ان کی تہذیب، ان کا کلچر اور ان کی ثقافت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرت کے اعتبار سے، ثقافت اور تہذیب کے اعتبار سے، صفات اور عادات کے اعتبار سے، عقیدوں اور افکار کے اعتبار سے ہمارے راستے الگ الگ ہیں، عقائد کے اعتبار سے تو مسلمان ہیں، عادات، اخلاق، معاشرت، تہذیب، کلچر، حسن پرستی، عیاشی، فحاشی اور دنیا کی رنگ رلیوں میں مستی کے اعتبار سے عیسائی، اور مال پرستی، دین میں من مانی اور نفس پرستی کے اعتبار سے یہودی ہیں، ہمارے یہ تین راستے الگ الگ ہیں، ہم کس طریق پر ہیں؟ ذرااس کو طے کرلیں کہ دین ہمارا کیا ہے؟ ہم کس کو اپنے لئے نمونہ مانتے ہیں؟ کس کی زندگی کی طرح ہم زندگی گزارنا چاہتے ہیں؟ کبھی تیتر کبھی بٹیر، کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر، اس میں سراپا نقصان اور خسارہ ہے، سوائے آخرت کے نقصان کے ہمارا کچھ نہیں ہو گا، ہمارا حال یہ ہو گا:

"نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے"

اس کے بعد جب آپ ﷺ آگے بڑھے تو کچھ اور مناظر دیکھے، حلال اور حرام کھانے

والوں کی سزا، رشوت اور سود کھانے والوں کی سزا، نماز کو چھوڑنے اور اس میں سستی کرنے والوں کا انجام، بدکاری، جھوٹ اور غیبت کرنے والوں کا برا حال، ہم تو ان کو محض اعمال سمجھتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں اچھے اور برے کی تقسیم اور اس کے بدلے جنت اور دوزخ کا ایک تصور ہے، لیکن ان کی حقیقت بہت ہی خطرناک ہے۔

ناحق یتیموں کا مال کھانے والوں کی سزا:

واقعۂ معراج اس کی حقیقت کو کھول دیتا ہے، چنانچہ آپ نے چند آدمیوں کو دیکھا کہ بڑے بڑے آگ کے پتھر اور چٹان ان کے منھ میں ڈالے جارہے ہیں، اور وہ ان کے منھ میں داخل ہو کر پاخانہ کے مقام سے نکل رہے ہیں، آپ نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل نے کہا کہ یہ ناحق یتیموں کا مال کھانے والے ہیں،(مسند الحارث:باب ماجاء فی الاسراء:۲۷) چونکہ دنیا میں وہ ان کا مال ظلمًا ناجائز طور پر کھاتے تھے تو کل قیامت میں یہ سزا ہوگی کہ وہ انگارے کھائیں گے، یتیم کا مال کھانا آگ کے ڈلوں کے کھانے کے مانند ہے، اسی وجہ سے اللہ پاک نے فرمایا:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَأْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا" (النساء:۱۰)

"بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں"

ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ کل قیامت میں سزا عمل کی مناسبت سے دی جائے گی، جیسا گناہ دنیا میں کرے گا اسی مناسبت سے کل قیامت میں سزا دی جائے گی، اگر یہاں یتیموں کا مال کھا رہا ہے کل قیامت میں آگ کے انگارے کھائے گا، یہاں تکبر کی وجہ سے اپنا سر اوپر رکھتا تھا تو کل کے دن یہی سر نیچے جھکے گا، اور لوگ اس کے سر کو کچلیں گے، دنیا میں رب کے سامنے اگر سر نہیں جھکاتا تھا تو قیامت میں اسی سر کو کچلا جائے گا۔

بے نمازی کی سزا:

جیسے کچھ لوگوں کو آپ نے دیکھا:

”تُرْضَخُ رُءُوْسُهُمْ بِالصَّخْرِ، كُلَّمَا رُضِخَتْ عَادَتْ كَمَا كَانَتْ، لَا يُفْتَرُ عَنْهُمْ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ“ ان کے سروں کو پتھر سے مارا اور کچلا جارہا ہے، مارنے میں اور سختی میں کوئی کمی بھی نہیں کی جارہی ہے، اور جب سر کچلا جاتا ہے، تو پھر وہ صحیح ہو جاتا ہے تو پھر دوبارہ اس کو ماراجاتا ہے اور کچلا جاتا ہے، اسی طرح ان کے ساتھ معاملہ کیاجارہا ہے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کہ: ”هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ تَثَّاقَلُ رُءُوْسُهُمْ عَنِ الصَّلَاةِ“ (دلائل النبوة للبيهقي: باب الدليل على أن النبي صلى الله عليه وسلم عرج به إلى السماء: ٦٧٦)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر فرض نمازوں سے بوجھل ہو جاتے تھے۔

نماز چھوڑنا دماغی بیماری ہے:

یہ لوگ سروں کو خدا کے سامنے جھکانے سے پیچھے ہٹ جاتے تھے، ان کے دماغ کے اندر ایسی کوئی چیز تھی جس کی وجہ سے ان کے سر رب کے سامنے نہیں جھکتے تھے، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ نماز کا چھوڑنا کس قسم کی غلطی ہے، یہ غلطی ہے دماغ کی خرابی کی، حق ناشناسی کی، خدا فراموشی کی، نمک حرامی کی، جس کا کھاتا ہے اس کے سامنے سر جھکایا نہیں جاتا، جس نے انسان کو وجود دیا، جو اس کا مالک ہے، خالق ہے، رازق ہے، رب ہے، جس سے انسان زندہ ہے، جس نے ساری ضرورتیں پوری کیں، اگر وہ کہتا ہے کہ میری عزت، عظمت اور کبریائی بیان کرو، میرے سامنے سر جھکاؤ تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے، در اصل اس کے سر اور دماغ میں فتور ہے، اس میں کبر ہے، اس میں بڑائی ہے، اس لئے نماز چھوڑنے پر کل قیامت میں یہ سزا دی جائے گی۔

دن میں پانچ مرتبہ اللہ پاک نے نماز فرض فرمائی ہے، اور اسلام لانے کے بعد سب سے اہم عبادت نماز ہی ہے، اس کے بارے میں ہمارا حال یہ ہے کہ کبھی ظہر پڑھ لی تو عصر چھوڑدی، مغرب اور عشاء پڑھ لی تو فجر چھوڑدی، ملازمت کی وجہ سے نماز چھوڑدی، طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نماز چھوڑدی، یہ غلط ہے، پہلے نماز ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اس کے بعد ان کی فکر کرنی چاہئے، کسی کی اگر ایک نماز بھی چھوٹ جائے تو اس کا بہت بڑا نقصان ہو گیا، زندگی بھر اسکی تلافی نہیں ہو سکتی، دن میں پانچ مرتبہ نماز فرض ہے، اور اس کے چھوڑنے کا وبال بہت بڑا ہے، اس لئے نوجوان، اور بڑی عمر کے ساتھی سب سے درخواست ہے کہ کسی بھی طرح نماز چھوٹنے نہ پائے، چاہے کتنا ہی مصروف کیوں نہ ہو؟ بڑے کام والا کیوں نہ ہو؟ بڑا باصلاحیت کیوں نہ ہو؟ بہت مالدار کیوں نہ ہو؟ بہت تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو؟ اگر ان کی نماز چھوٹتی ہے تو سب خاک ہیں بلکہ خاک سے بدتر ہیں۔

آخرت میں تو اس کو سزا ملے گی، اور بعض ضعیف روایات میں ہے کہ عذاب قبر یعنی قبر کی تاریکی میں بھی وہ مبتلا ہو گا۔

اصل فیصلہ تو وہاں ہو گا، یہ سزا تو کچی پیشی کی ہے، یہ تو عارضی سزا ہے، پکی پیشی اور اصل سزا تو کل قیامت میں ہو گی، جب مجرم پکڑا جاتا ہے تو وقتی طور پر اس کو کچھ سزا دی جاتی ہے، اور لے جاکر اسے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے، اور ساتھ ہی مقدمہ بھی چل رہا ہوتا ہے، اور فیصلہ دو سال بعد ہوتا ہے کہ اس کو سولی دی جائے یا کوئی اور سزا دی جائے، مگر کیا یہ دو سال تک انجوائے (Enjoy) کرتا ہے؟ نہیں! بلکہ اصل فیصلہ ہونے تک سزا کاٹتا رہتا ہے، یہی حال ہماری قبر کا ہے، وہاں عارضی سزا کاٹے گا، وہاں کچی پیشی

ہو گی اور قیامت میں پکی پیشی ہو گی، اصل فیصلہ کل قیامت میں ہو گا، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

حقوق میں کوتاہی کا انجام:

اسی رات آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اپنے اوپر بہت ہی وزن اُٹھائے ہوئے ہے، اور وہ اس سے نہیں اُٹھایا جاتا ہے، پھر اپنے اوپر اور سامان لاد لیتا ہے اور اٹھانا چاہتا ہے، وہ نہیں اٹھتا ہے تو اپنے اوپر اور سامان لاد لیتا ہے، اسی طرح وہ اپنے اوپر سامان لادتے رہتا ہے، اور اٹھانے کی کوشش کرتے رہتا ہے اور نہ اٹھنے کی بناء پر اس میں اضافہ کرتا رہتا ہے، آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ فرمایا کہ:

"هٰذَا رَجُلٌ مِنْ اُمَّتِکَ عَلَيْهِ اَمَانَةٌ لَا يَسْتَطِيْعُ اَدَاءَهَاوَهُوَ يَزِيْدُ عَلَيْهَا" (دلائل النبوة للبیہقی: ۶۷۶ ومسند البزار: ۹۵۱۸)

یہ آپ کی امت کا وہ آدمی ہے جس کے ذمہ کچھ امانتیں تھیں اور وہ اس کی ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتا تھا، اس کے باوجود وہ اس میں اور اضافہ کرتا رہتا تھا۔ ابھی پہلے لوگوں کے حقوق ادا نہیں ہوتے ہیں کہ دوسرے اور حقوق سر پر ڈال لیتا ہے، پہلے کا قرضہ ابھی ادا نہیں ہوا تھا کہ مزید اور قرض لے لیتا ہے، پہلی ذمہ داری ابھی ادا نہیں کی تھی کہ اس میں اور اضافہ کر لیتا ہے، ایسے آدمی کو قیامت میں یہ سزا دی جارہی ہو گی۔

اب یہ حقوق چاہے بیوی کے ہوں، بچوں کے ہوں، پڑوسیوں کے ہوں، دوستوں کے ہوں، باس (Boss) کے ہوں، ملازمین کے ہوں، یا کسی اور کے ہوں، حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ اس کے ذمہ وبال بنتے جاتے ہیں، ایسے بہت سے حالات اور سزائیں آپ نے دیکھیں، ایک پوری کائنات کا آپ نے مشاہدہ کیا، سود کھانے والوں

کا انجام دیکھا، یتیموں کا مال کھانے والوں کا انجام دیکھا، بدکاروں کا انجام دیکھا، غرض اعمال کے خواص اوران پر مرتب ہونے والے اثرات اور سزائیں آپ نے دیکھیں۔

غیبت اور ہتکِ عزت کرنے والوں کی سزا:

کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے آپ کا گزر ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے، جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے، بعض روایات میں ہے کہ وہ مردار کھا رہے تھے۔ آپ نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے یعنی ان کی غیبت کرتے تھے، اور ان کی عزت وآبرو کے پیچھے پڑے رہتے تھے۔

چغل خوروں کا انجام:

کچھ لوگوں کو آپ نے دیکھا کہ فرشتے ان کے پہلو سے گوشت کاٹ کاٹ کر انہیں کھلا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جس طرح اپنے بھائی کا گوشت اپنی زندگی میں کھاتا تھا اب بھی کھا، میں نے پوچھا جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ آپ کی امت کے چغلی کرنے والے لوگ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲۳/۵)

زکوۃ نہ دینے والوں کا انجام:

آگے بڑھے تو دیکھا کہ کچھ لوگوں کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور وہ اونٹ اور بیل کی طرح چر رہے تھے، ضریع اور زقوم یعنی کانٹے دار درخت، جہنم کے پتھر اور انگارے کھا رہے تھے، آپ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوۃ نہیں دیتے تھے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی: ۶۷۵)

اجنبی مرد اور عورتوں کے پاس جانے والوں کی سزا:

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے سامنے ایک برتن میں اچھا گوشت اور دوسرے میں سڑا ہوا گوشت رکھا ہوا تھا، وہ اچھے گوشت کے بجائے بدبو دار سڑے ہوئے گوشت کو کھا رہے تھے، آپ نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ جواب دیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی حلال بیویوں کو چھوڑ کر حرام عورتوں کے پاس رات گزارتے تھے۔ اور یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کو چھوڑ کر اوروں کے ہاں رات گزارتی تھیں۔ (دلائل النبوۃ: ۶۷۵)

کچھ عورتیں اپنے سینوں کے بل لٹکی ہوئی تھیں اور چیخ رہی تھیں، آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت جبرئیل نے کہا کہ کہ یہ آپ کی امت کی زناکار عورتیں ہیں۔ (دلائل النبوۃ: ۲/ ۳۹۱، ۶۷۴)

کچھ لوگ وہ تھے جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں، آپ نے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لیے زینت اختیار کرتے تھے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/ ۳۹۱، ۶۷۴)

راہِ حق سے روکنے والوں کی سزا:

پھر آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک لکڑی ہے جو ہر کپڑے کو پھاڑ رہی تھی اور ہر چیز کو زخمی کر رہی تھی، آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جو راستے روک کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا:

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ (الاعراف: ۸۶) یعنی راستوں پر لوگوں کو راہ حق سے روکنے کے لئے مت بیٹھو۔

بے عمل واعظ اور خطیبوں کی سزا:

پھر آپ نے ایک جماعت کو دیکھا جن کی زبان اور ہونٹ، لوہے کی اور بعض روایات

کے مطابق آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، جیسے ہی کاٹا جاتا تھا وہ درست ہو جاتے تھے، آپ نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو وہ باتیں کہتے ہیں جس پر خود عمل نہیں کرتے، اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۶۷۵)

سود خوروں کی سزا:

کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے پیٹ بڑے بڑے گھروں جیسے ہیں، جب وہ اٹھنا چاہتے ہیں تو گر پڑتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یا اللہ قیامت قائم نہ فرما۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/۳۹۱، ۶۷۴) بعض روایات میں ہے کہ ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے پیٹوں میں نظر آرہے تھے، آپ نے کہا کہ اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵/۳۹)

بڑے بول بولنے والوں کی سزا:

ایسے ہی ایک منظر آپ نے یہ دیکھا کہ ایک بیل چھوٹے سے سوراخ سے نکلا ہے اور اسی میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے لیکن داخل نہیں ہو پاتا ہے، آپ نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ حضرت جبرئیل نے کہا کہ یہ وہ آدمی ہے جو کوئی برا کلمہ کہہ دیتا ہے، اس پر نادم ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو واپس کر دے پھر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۶۷۵)

افسوس کا مقام ہے کہ اتنی سخت وعیدوں اور سزاؤں کا علم ہونے کے باوجود بھی ہمارا

معاشرہ ان میں مبتلا ہے، جب کوئی محفل یا مجلس منعقد ہوتی ہے تو چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، عمومی ہو یا خصوصی ہو عموما غیبتوں سے خالی نہیں ہوتی، نمازوں میں سستی دیکھی جاتی ہے، زکوۃ میں غفلت برتی جاتی ہے، دوسروں کی عیب جوئی اور ان کی عزتوں پر حملہ کیا جاتا ہے، اپنوں اور غیروں کی حق تلفی کی جاتی ہے، اسلام اور احکام اسلام صرف زبانوں تک محدود ہو گئے اور عملی زندگی اس سے کوری نظر آتی ہے، سرکاری معاملات سود اور رشوت سے خالی نظر نہیں آتے، حلال اور حرام کی تمیز نہیں کی جاتی۔

مجاہدین کا ثواب:

کچھ لوگوں کو آپ نے دیکھا جو ایک ہی دن میں تخم ریزی بھی کرتے تھے اور اسی دن ہی اپنی کھیتی کاٹ بھی لیتے تھے اور کاٹنے کے بعد وہ پھر ویسی ہی ہو جاتی تھی جیسے پہلے تھی ، آپ نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں ؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں ان کی ایک نیکی سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتا ہے۔(دلائل النبوۃ: ۶۷۵)

فرعون کی بیٹی کی مشاطہ کا واقعہ:

اس رات آپ ایک ایسے مقام سے بھی گزرے جہاں سے انتہائی اعلیٰ اور عمدہ قسم کی خوشبو آرہی تھی، آپ نے پوچھا کہ یہ خوشبوی کہاں سے آرہی ہے؟ حضرت جبرئیل نے جواب دیا کہ فرعون کی لڑکی کی مشاطہ کی قبر سے آرہی ہے، اس کا واقعہ یہ تھا کہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرتے ہوئے ایک مرتبہ اس مشاطہ کے ہاتھ سے کنگھی گر پڑی، اس کی زبان سے بے ساختہ بسم اللہ نکل گیا، اس پر شہزادی نے کہا کہ اللہ تو میرے باپ ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، بلکہ اللہ وہ ہے جو مجھے اور تجھے اور تیرے باپ کو روزی

دیتا ہے، اس نے کہا: کیا تو میرے باپ کے علاوہ کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے؟ مشاطہ نے جواب دیا کہ ہاں، اس نے فرعون سے یہ بات کہہ دی، اس کو غصہ آگیا، اور اس نے اسی وقت بلا بھیجا، اور کہا کہ کیا تو میرے سوا کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے؟ مشاطہ نے کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ ہے، فرعون نے اسی وقت حکم دیا کہ تانبے کی جو گائے بنی ہوئی ہے، اسے خوب تپایا جائے اور اس کو آگ کی طرح کر دیا جائے، جب وہ بالکل آگ جیسی ہو جائے تو اس کو اور اس کے بچوں کو ایک ایک کر کے اس میں ڈال دیا جائے، مشاطہ نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے، اور وہ یہ ہے کہ میری اور میرے بچوں کی ہڈیاں ایک ہی جگہ ڈال دینا، اس نے کہا: "ذَاکَ لَکَ لِمَا لَکَ عَلَینَا مِنَ الحَقِّ" کہ ٹھیک ہے، تیری یہ بات ہمیں منظور ہے، تیرے ان حقوق کی وجہ سے جو ہم پر ہیں، جب سب بچے ڈال دئے گئے اور چھوٹے دودھ پیتے بچے کی باری آئی تو اس نے کہا: "قَعِي يَا أُمَّه، وَلَا تُقَاعِسِي فَإِنَّا عَلَى الحَقِّ" اماجان! ثابت قدم رہنا، پیچھے نہ ہٹنا، اور ہمت نہ ہارنا، بے شک ہم حق پر ہیں۔ پھر اس کو بھی اس میں ڈال دیا گیا۔ اس صبر اور ثابت قدمی کی وجہ سے اللہ پاک نے اس کی قبر کو خوشبو سے معطر کر دیا، جس سے یہ خوشبو آرہی ہے۔

گہوارہ میں بات کرنے والے چار بچے:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ چار چھوٹے بچوں نے گہوارے میں بات چیت کی، (۱) ایک تو یہی بچہ، (۲) وہ بچہ جس نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی پاک دامنی کی شہادت دی تھی۔ (۳) تیسرا وہ بچہ جس نے جریج کی پاک دامنی کی شہادت دی تھی (۴) چوتھے حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام)۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۶۷۳)

جنت کی صدا:

پھر آپ ایک وادی میں پہنچے وہاں نہایت ہی خوش گوار ٹھنڈی ہوا اور بہترین خوشبو اور راحت و سکون کی مبارک صدائیں آرہی تھیں، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل نے کہا کہ یہ جنت کی آواز ہے، وہ کہہ رہی ہے کہ یا اللہ مجھ سے اپنا وعدہ پورا فرمایئے، میرے پاس بالاخانے، ریشم، موتی، سونا، چاندی، پانی، دودھ، اور شراب پھل وغیرہ بہت زیادہ ہو گئے ہیں، اللہ پاک نے اسے جواب دیا: "لِکَ کُلُّ مُسلِمٍ وَمُسلِمَةٍ، وَمُؤمِنٍ وَمُؤمِنَةٍ، وَمَن آمَنَ بِی وَبِرُسُلِی وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَم یُشرِک بِی شَیئا، وَلَم یَتَّخِذ مِن دُونِی أَندَادًا" ہر مومن مرد و عورت جو مجھ پر ایمان لائے اور میرے رسولوں کو مانے اور نیک اعمال کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، وہ سب تیرے لئے ہیں، اس کے بعد فرمایا کہ سن لے، جو مجھے سے ڈرے گا میں اسے امن دوں گا، جو مجھ سے سوال کرے گا تو وہ کبھی محروم نہیں رہے گا، جو مجھے قرض دے گا میں اس کو ضرور اس کا بدلہ دوں گا، جو مجھ پر توکل کرے گا میں اس کی کفایت کروں گا، میں سچا معبود ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں، میں وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا، مومن نجات یافتہ ہیں، اللہ کی ذات بابرکت ہے جو سب سے بہتر خالق ہے، یہ سن کر جنت نے کہا بس میں خوش ہو گئی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی: ۸۷۵)

جہنم کی صدا:

پھر آپ ایک دوسری وادی میں پہنچے، جو انتہائی بدبودار تھی، جہاں نہایت بری، خطرناک اور مکروہ آوازیں آرہی تھیں، آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل نے بتایا کہ یہ جہنم کی آواز ہے، وہ کہہ رہی ہے کہ اے اللہ! مجھ سے اپنا وعدہ پورا

فرمایئے، میرے طوق، زنجیر، شعلے، لہو اور پیپ بہت ہو گئے ہیں، میری گہرائی بہت زیادہ ہے، میری آگ بہت تیز ہے، تو اللہ پاک نے اسے جواب دیا:

لَکَ کُلُّ مُشرِکٍ وَمُشرِکَۃٍ، وَکَافِرٍ وَکَافِرَۃٍ وَکُلّ خَبِیثٍ وَخَبِیثَۃٍ، وَکُلُّ جَبَّارٍ لَا یُؤمِنُ بِیَومِ الحِسَابِ۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۸۷۵۔ تفسیر ابن کثیر: ۵/۳۴)

ہر مشرک مرد اور عورت اور کافر مرد اور عورت ہر خبیث مرد اور عورت اور متکبر سرکش جو حساب کے دن پر ایمان نہ لائے وہ سب تیرے لئے ہیں، یہ سن کر جہنم نے کہا :"قَدرَضِیتُ"میں خوش ہو گئی۔

حضور کی ضیافت:

پھر آپ بیت المقدس پہنچے، وہاں بابِ محمد کے پاس ایک پتھر تھا، جسے حضرت جبرئیل نے اپنی انگلی لگائی تو اس میں سوراخ ہو گیا، وہیں آپ نے براق کو باندھا بعض روایات میں ہے کہ اس جگہ باندھا جہاں گزشتہ انبیاء کرام اپنی سواری کو باندھا کرتے تھے، پھر مسجد میں تشریف لائے، دو رکعت نماز ادا کی، وہاں آپ کے سامنے پانی، شراب اور دودھ پیش کیا گیا، آپ نے دودھ لیا تو حضرت جبرئیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا، اگر آپ پانی کا برتن لے کر پی لیتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی، اور اگر شراب پی لیتے تو آپ کی امت بہک جاتی، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آسمانوں میں بھی دودھ وغیرہ پیش کرنے کی روایت ملتی ہے، ہو سکتا ہے کہ وہاں ضیافۃً اور اکرامًا یہ چیزیں پیش کی گئی ہوں۔ (دلائل النبوۃ: ۲/۳۹۱۔ ۶۵۱۔ ۶۷۴)

امامت کا واقعہ کب پیش آیا؟

سارے انبیاء علیہم السلام اس وقت تشریف لائے، ان سب کی آپ نے امامت کی، اور سب نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ امامت انبیاء کا واقعہ آسمانوں

میں تشریف لے جانے سے قبل پیش آیا، لیکن حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ امامت انبیاء کا واقعہ آسمانوں سے واپس ہوتے وقت پیش آیا، کیونکہ جب آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے آپ کی ملاقات ہوتی تو ہر ایک سے آپ کا تعارف ہوتا، اور ہر ایک سے متعلق آپ پوچھتے کہ یہ کون ہیں؟ اگر بیت المقدس میں ہی ان کی امامت ہو جاتی تو اس سوال کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲۲/۵)

اس کے بعد معراج یعنی ایک سیڑھی لائی گئی، جس سے بنی آدم کی روحیں اوپر چڑھتی ہیں، جو سونے اور ہیرے جواہرات سے مزین تھی، دنیا نے ایسی اچھی چیز کبھی نہیں دیکھی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ مرنے والے کی آنکھیں آسمان کی طرف کیوں چڑھ جاتی ہیں۔ یہ اسی سیڑھی کو دیکھتے ہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل دونوں اوپر چڑھ گئے، پہلے آسمان کا دروازہ باب الحفظہ کہلاتا ہے، اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا نام اسماعیل ہے، اس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے تھے، اور ہر فرشتہ کے ساتھ ایک لاکھ فرشتے تھے جب آپ علیہ السلام نے یہ بات بیان فرمائی تو یہ آیت تلاوت کی: وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲۲/۵) اور آپ کے رب کے فرشتوں کے لشکر کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔

آسمانوں پر انبیاء سے ملاقاتیں:

جب آسمان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو فرشتوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا: جبرئیل، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ فرمایا کہ میرے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، پوچھا گیا کہ کیا آپ کو بلوایا گیا ہے؟" جواب دیا گیا کہ "ہاں" وہ خوش ہوئے، اور مرحبا کہا۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ معراج کی رات جن فرشتوں نے مجھ سے ملاقات کی سب

نے میرے سلام کا جواب دیا، مجھے مرحبا بھی کہا اور مسکرائے سوائے ایک فرشتہ کے، اس نے میرے سلام کا جواب دیا اور مرحبا کہا، لیکن مسکرایا نہیں، آپ نے اس کی وجہ دریافت کی تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ وہ جہنم کے داروغہ ہیں، ان کا نام مالک ہے، وہ اپنے پیدا ہونے سے لیکر آج تک ہنسے ہی نہیں، اور ان کے مسکرانے کا سب سے بڑا موقع یہی تھا، اگر وہ تبسم کرتے تو آپ کے لئے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱۴/۵) لیکن یہ موقع بھی ان کے ہاتھ سے چلا گیا، اب دوبارہ انہیں ہنسنے کا موقع نہیں ملے گا۔

اور ایک حدیث میں فرمایا کہ فرشتوں کی جس جماعت پر بھی میرا گزر ہوا، انہوں نے مجھے کہا کہ آپ اپنی امت کو حجامہ یعنی پچھنے کا حکم دیجیے۔

غرض جب پہلے آسمان پر تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ ایک شخص ہیں، ان کے دائیں ایک دروازہ ہے جہاں سے خوشبو کی لپٹیں آرہی ہیں اور بائیں جانب ایک دروازہ ہے جہاں سے بدبودار ہوا آرہی ہے، دونوں طرف لوگ موجود ہیں، جب وہ داہنی طرف کے دروازے کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور بائیں طرف کے دروازے کو دیکھتے ہیں تو غمگین ہو جاتے ہیں، میں نے کہا کہ یہ کون ہے ہیں؟ جضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے کہا کہ یہ آپ کے والد حضرت آدم (علیہ السلام) ہیں، دائیں جانب جنت کا دروازہ ہے، یہ اپنی جنتی اولاد کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، اور بائیں جانب جہنم کا دروازہ ہے، یہ اپنی دوزخی اولاد کو دیکھ کر غمگین ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت آدم (علیہ السلام) سے ملاقات ہوئی، سلام کلام ہوا، حضرت آدم نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ (تفسیر ثعلبی: ۵۹/۶)

انبیاء سے ملاقات کی ترتیب:

پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے میں حضرت یحیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، پھر تیسرے میں حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے میں حضرت ادریس علیہ السلام،

پانچویں میں حضرت ہارون علیہ السلام اور چھٹے میں حضرت موسی علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جب آپ چھٹے آسمان سے آگے تشریف لے جانے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے، آپ نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ جو نوجوان میرے بعد نبی بنا کر بھیجا گیا اس کی امت کی میری امت کی بہ نسبت جنت میں تعداد زیادہ ہوگی۔ ان سے مل کر آپ نے ساتویں آسمان میں تشریف لے گئے، وہاں ایک شخص کو دیکھا جو بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے، بیت المعمور آسمانوں میں وہ جگہ ہے جو بیت اللہ کے بالکل ٹھیک اوپر واقع ہے، جو آسمانی کعبہ ہے، وہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں، جو ایک مرتبہ طواف کرتا ہے تو قیامت تک پھر کبھی اس کی باری نہیں آتی، ان کے پاس کچھ اور لوگ بھی تھے، بعض کے چہرے روشن تھے، اور بعض کے چہروں پر چمک کچھ کم تھی، یہ لوگ اٹھے اور نہر میں ایک غوطہ لگایا جس سے ان کا رنگ نسبتاً نکھر گیا پھر دوسری نہر میں نہائے تو کچھ اور نکھر گئے پھر تیسری میں غسل کیا تو بالکل روشن اور سفید چہرے ہو گئے ، اور آکر ان لوگوں کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے جن کے چہرے پہلے ہی سے بلکل روشن اور چمک دار تھے، آپ کے سوال پر حضرت جبرئیل نے بتلایا کہ یہ آپ کے والد ابراہیم ہیں، یہ روشن اور سفید منہ والے وہ ایماندار لوگ ہیں جو برائیوں سے بالکل بچے رہے، اور جن کے چہروں کے رنگ میں کچھ کدورت تھی یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نیکیوں کے ساتھ کچھ برے اعمال بھی کئے تھے، انہوں نے توبہ کی تو اللہ پاک نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵/ ودلائل النبوۃ للبیہقی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امت محمدیہ کو پیغام:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے امت محمدیہ کو ایک پیغام دیا ، فرمایا کہ اے محمد! میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہہ دینا اور انہیں بتادینا کہ بلاشبہ

جنت کی مٹی اچھی ہے، اس کا پانی میٹھا ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے سُبْحَانَ اللہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَ اللہُ اَکْبَر ہیں۔

قیامت کے بارے میں انبیاء کا لاعلمی ظاہر کرنا:

اس رات کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام)، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے میں نے ملاقات کی، ان میں آپس میں قیامت کا تذکرہ چھڑا، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی، جب حضرت عیسی علیہ السلام کی باری آئی تو کہنے لگے کہ اس کے صحیح وقت کا علم تو اللہ کے سوا کسی کو نہیں، ہاں مجھ سے یہ بتایا گیا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے، اس وقت میرے ساتھ دو چھڑیاں ہوں گی، فَإِذَا رَآنِي ذَابَ كَمَا يَذُوبُ الرَّصَاصُ، وہ جیسے ہی مجھے دیکھے گا تو سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا، آخر میں اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دیں گے، وہ وقت ایسا ہو گا کہ درخت اور پتھر بھی اس وقت بول اٹھیں گے: "يَا مُسلِمُ اِنَّ تَحتِي كَافِرًا فَتَعَال فَاقتُلُوهُ" کہ اے مسلمان یہاں دیکھ، میرے نیچے ایک کافر چھپا ہوا ہے، اسے قتل کر دے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دیں گے، لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کو لوٹ جائیں گے، اسی زمانے میں یاجوج ماجوج نکلیں گے، جو ہر اونچائی سے کودتے پھاندتے آئیں گے، جو چیز پائیں گے تباہ کر دیں گے، جو پانی دیکھیں گے پی جائیں گے، آخر لوگ تنگ آکر مجھ سے شکایت کریں گے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا، اللہ ان سب کو ایک ساتھ ہی ہلاک کر دے گا، لیکن زمین پر ان کی لاشوں کے تعفن اور بدبو کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہو جائے گا، اس وقت اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی۔ مجھے یہ خوب معلوم ہے کہ

اس کے بعد ہی فوراً قیامت آجائے گی جیسے پورے دن کی حمل والی عورت ہو کہ نہ جانے ولادت صبح ہو جائے یا رات ہی کو۔ (مسند احمد: مسند عبداللہ ابن مسعود، ۳۵۵۶)

سدرۃ المنتہیٰ اور وہاں کی کیفیات:

ساتویں آسمان کے بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ تشریف لے گئے، یہ ایک بیری کا درخت ہے، اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر اور اس کے پھل مٹکے جیسے تھے۔ (صحیح بخاری: ۳۲۰۷) وہیں پر آپ نے حضرت جبرئیل کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا جن کے چھ سو پر تھے، وہیں آپ نے سبز رنگ کا رف رف دیکھا، جس نے آسمان کے کناروں کو ڈھک رکھا تھا، جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے سب سے پہلے احکام پہنچتے ہیں، اس کے بعد نیچے اترتے ہیں اور بندوں کے اعمال اولاً یہیں پہنچ کر رک جاتے ہیں، اسی لئے اسے منتہیٰ کہا جاتا ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۶۶۵و۶۶۶و۶۶۷) اس کی جڑ سے نہریں نکل رہی تھیں، آپ نے فرمایا کہ میں نے اس وقت چار نہریں دیکھیں، دو ظاہر اور دو باطن کی، اس میں سے ایک کا نام سلسبیل ہے۔ اور دوسری کا نام کوثر ہے۔ (مشکوۃ: ۵۳۷)

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ باطنی تو جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری نیل و فرات ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلسبیل ہی سے دو چشمے پھوٹتے ہیں، ایک کا نام نہرِ کوثر اور دوسری کا نام نہرِ رحمت ہے، اور نہرِ کوثر وہ نہر ہے جس کے بالا خانے موتیوں کے ہیں، جس کی مٹی خالص مشک کی ہے، جس میں یاقوت اور زبرجد کے جام تھے، بہترین، خوش رنگ اور سبز پرندے تھے، اس میں سونے، چاندی، یاقوت اور زمرد سے جڑے ہوئے آبخورے تھے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا، جو پروردگار نے آپ کے لئے خاص کر رکھی ہے۔ (تفسیرِ ثعلبی: ۶۶/۶)

بعض روایات میں ہے کہ اس کا ایک ایک پتہ اتنا بڑا تھا کہ ساری امت کو ڈھک لے،

اس درخت کے سائے میں کوئی سوار اگر ستر سال بھی چلے تب بھی اس کا سایہ ختم نہیں ہو گا۔(تفسیر قرطبی:۱۷/۳۳۷)

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر سونے کے بنے ہوئے پروانے تھے۔(صحیح مسلم:باب فی ذکر سدرۃ المنتہی:۴۴۹) صحیح بخاری میں ہے کہ کچھ رنگ اس کو ڈھانپے ہوئے تھے، ان کی حقیقت کے بارے میں فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔(صحیح بخاری:۳۴۹باب کیف فرضت الصلاۃ) حق تعالیٰ کے نور نے اور بعض روایات کے مطابق نورانی ابر نے اسے چاروں طرف سے ڈھک رکھا تھا اور پرندوں کی شکل کے فرشتوں نے اسے چھپا لیا تھا۔(تفسیر ثعلبی:۶/۶۳) اس سے آگے جب آپ تشریف لے گئے تو قلموں کے لکھنے کی آوازیں آپ کو سنائی دینے لگیں۔ (تفسیر ابن کثیر:۵/۴۳) اس کے بعد بارگاہِ الٰہی میں پہنچے، سجدہ ریز ہوئے، حق تعالیٰ کے قرب اور دیدار کی سعادت حاصل ہوئی، بعض روایات میں ہے کہ اس وقت آپ نے" اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ "پڑھا تو جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا:اَلسَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ، آپ نے فرمایا:اَلسَّلَامُ عَلَینَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِین۔(تفسیرِ ثعلبی:۶/۶۴) پھر رب العالمین کی طرف سے آپ کو تحفے عطا کئے گئے۔

انعاماتِ معراج:

آپ نے فرمایا کہ اس رات بالخصوص حق تعالیٰ نے مجھے تین تحفے عطا فرمائے۔ ”أُعْطِيَ الصَلَوَاتِ الْخَمْسَ“ پانچ نمازیں دی گئیں، ”وَأُعْطِيَ خَوَاتِيْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ“ اور سورۂ بقرہ کی آخری (دو) آیتیں دی گئیں۔ ”وَغُفِرَ لِمَنْ لاَّيُشْرِكُ بِاللّٰهِ مِنْ أُمَّتِهٖ شَيْئًا“ اور شرک نہ کرنے والے کی مغفرت کا پروانہ دیا گیا۔(مشکوٰۃ:باب فی المعراج:الفصل الأول، ۵۳۹)

اس کے علاوہ حق تعالیٰ نے اس وقت ایک انعام یہ فرمایا کہ جو بندہ نیکی کا ارادہ کرے گا اس کے لئے ایک نیکی اور جو نیکی کرے گا تو اس کا بدلہ دس گنا زیادہ ہو گا، اور اگر کوئی صرف گناہ کا ارادہ کرے گا تو اس کے نامۂ اعمال میں گناہ نہیں لکھا جائے گا، اور اگر گناہ کرے گا تو ایک ہی گناہ لکھا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح: باب فی المعراج، ۵۳۸)

حضرت موسیٰ کی نمازوں میں تخفیف کی درخواست:

معراج کے موقع پر تحفہ میں ملنے والی یہ پانچ نمازیں در اصل پچاس نمازیں تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں تخفیف کی درخواست کی، جب آپ وہاں سے لوٹے تو حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی، حضرت موسیٰ نے پوچھا کہ کیا حکم ملا؟ فرمایا "دن رات میں پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا، حضرت موسیٰ نے کہا کہ یہ آپ کی امت کی طاقت سے باہر ہے، آپ نے حضرت جبرئیل کی طرف دیکھا، گویا آپ ان سے مشورہ لے رہے ہیں، اس کے بعد حق تعالیٰ کی طرف گئے اور دعا کی "اے اللہ! اس میں تخفیف عطا فرما، میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی" اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کیں، آپ واپس لوٹے، حضرت موسیٰ سے گفتگو ہوئی، انہوں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ پانچ نمازیں اور کم کی گئیں، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے آپ سے پھر درخواست کی کہ اور کم کروا دیجئے، اس طرح ہر مرتبہ پانچ نمازیں حق تعالیٰ نے کم کیں، کم ہوتے ہوتے آخر میں پانچ رہ گئیں، اس کے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت ہی لکھ دیا تھا کہ یہ پانچ نمازیں تم پر اور تمہاری امت پر فرض ہیں، پڑھنے میں تو پانچ ہیں، لیکن ثواب پچاس نمازوں کا دیا جائے گا، کیونکہ میری باتیں بدلتی نہیں اور یہی میں ام الکتاب میں لکھ چکا ہوں۔ پس آپ اور آپ امت

اس کی حفاظت کریں، آپ فرماتے ہیں اب مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ کا یہی حکم ہے، پھر جب میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ میں بنی اسرائیل پر اس کا تجربہ کر چکا ہوں، انہوں نے اس سے بھی ہلکے احکام کو ترک کر دیا تھا، آپ کی امت تو ان سے بھی ضعیف ہے، اس لئے آپ پھر جایئے اور کمی کی درخواست کیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے کلیم اللہ اب نہیں، اب تو مجھے کچھ شرم سی محسوس ہوتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵۱۸) اس کے بعد آپ براق کے ذریعہ ہی بیت اللہ واپس تشریف لائے۔

معراج کے مناظر زیغ اور طغی سے پاک ہیں:

اس موقع پر آپ کو بڑے عجائبات اور قدرت کے مظاہر اور سخت سے سخت سزائیں اور عذاب دکھائے گئے، اور آپ سے ان میں کسی قسم کی غلطی نہیں ہوئی۔

" مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى۔ أَفَتُمَارُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى۔ وَلَقَدْ رَءَاهُ نَزْلَةً أُخْرٰى۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى۔ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ لَقَدْ رَأٰى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى" (النجم: ۱۱ تا ۱۸)

" قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی۔ تو کیا ان (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو۔ اور اس کو اس نے دیکھا ہے اترتے ہوئے ایک بار اور بھی، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس ہے بہشت آرام سے رہنے کی، جب چھا رہا تھا اس بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا، بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی، انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا وہ صحیح دیکھا، مراد ان دونوں لفظوں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا اس میں نظر نے کوئی خطا یا غلطی نہیں کی، دراصل یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ بعض اوقات انسان کی نظر بھی خطا کر جاتی ہے، خصوصاً جبکہ وہ کوئی

عجیب اور غیر معمولی واقعہ دیکھ رہا ہو، اس شبہ کے جواب میں قرآن کریم نے دو لفظ بیان فرمائے، کیونکہ نظر کی غلطی دو وجہ سے ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ جس چیز کو دیکھنا چاہتا تھا نظر اس سے ہٹ کر دوسری طرف چلی گئی، لفظ ما زاغ سے اس قسم کی غلطی کی نفی کی گئی ہے کہ آپ کی نظر کسی دوسری چیز پر نہیں، بلکہ جس کو دیکھنا تھا ٹھیک اسی پر پڑی، دوسری وجہ نظر کی غلطی کی یہ ہو سکتی ہے کہ نظر پڑی تو اُسی چیز پر جس کو دیکھنا مقصود تھا، مگر اس کے ساتھ وہ ادھر ادھر کی دوسری چیزوں کو بھی دیکھتی رہی، اس میں بھی بعض اوقات التباس ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اس قسم کی غلطی کے ازالہ کے لئے وماطغیٰ فرمایا۔ (معارف القرآن: تحت هذه الآية)

رؤیتِ باری کا مسئلہ:

اسی ملاقات میں آپ کو حق تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوا، اس مسئلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے، اور خود صحابۂ کرام میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، سورۂ نجم کی آیات کے بارے میں جس رؤیت کا ذکر ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں، کیونکہ اس سے قبل انہیں کی صفات بیان کی گئیں، اور اللہ تعالیٰ کو ان آیات میں مراد لینا تکلف سے خالی نہیں، یہی حضرت عائشہ، حضرت ابن مسعود، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کا مسلک ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں رؤیت سے باری تعالیٰ کی رؤیت مراد ہے، اس قول کے قائل حضرت ابن عباس ہیں، جمہور علماء کہتے ہیں کہ آیت کے مصداق سے قطع نظر راجح قول یہ ہے کہ اس موقع پر اللہ پاک کا دیدار ہوا۔ اور پھر جو لوگ رؤیت کے قائل ہیں ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ دل کی آنکھ سے دیکھا ہے، یعنی رؤیتِ قلبی حاصل ہوئی ہے، اور یہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور بعض

نے کہا ہے کہ جسم کی آنکھ سے دیکھا ہے، جس کے قائل حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔

رؤیتِ قلبی کے قائلین کہتے ہیں کہ حضرت ابنِ عباس، حضرت کعب اور دیگر صحابہ سے قلبی رؤیت کی روایتیں مروی ہیں، جیسا کہ سورۂ نجم کی آیت: ''وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرىٰ'' کی تفسیر میں مروی ہے: ''رَآهُ بِفُؤَادِهِ مَرَّتَيْنِ'' (صحیح مسلم: باب معنیٰ قول اللہ ولقد راٰہ: ۴۵۵)

اور جو لوگ رؤیت بچشمِ سر کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

''رَأَيْتُ نُورًا'' (صحیح مسلم: کتاب الایمان: ۴۶۲)

''میں نے نور کو دیکھا ہے''

''رَأَيْتُ رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ'' (سنن دارمی: باب فی رؤیۃ الرب تعالیٰ فی النوم: ۲۲۰۴)

میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا ہے۔

''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى'' (مسند احمد: ۲۵۸۰)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

''اَتَعْجَبُوْنَ اَنْ تَكُوْنَ الْخُلَّةُ لِاِبْرَاهِيْمَ، وَالْكَلَامُ لِمُوْسٰى، وَالرُّؤْيَةُ لِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ؟ (سنن نسائی: ۱۱۵۳۹)

ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کیا تم لوگ ابراہیم علیہ السلام کے لئے خلت اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے کلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رؤیت پر تعجب کرتے ہو؟ ''هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ؟ فَقَالَ: ''نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ'' (صحیح مسلم: کتاب الایمان: ۴۶۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو

دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک نور ہے اور میں نے اسے دیکھا ہے، اور علماء نے اس کا ایک دوسرا مطلب بھی بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ اللہ ایک نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ لیکن چونکہ دوسری روایت میں نور کو دیکھنے کی صراحت ہے، اس لئے اس کو استفہام کے بجائے خبر پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''رَاَیْتُ نُوْرًا'' (صحیح مسلم: کتاب الایمان: ۴۶۱) میں نے نور کو دیکھا ہے۔ اس روایت میں آپ نے صاف طور پر نور کو دیکھنے کی صراحت کی ہے۔

ایسے ہی طبرانی میں ایک روایت ہے:

''رَاٰی مُحَمَّدٌ ﷺ رَبَّهٗ عَزَّ وَجَلَّ مَرَّتَیْنِ: مَرَّةً بِبَصَرِهٖ، وَمَرَّةً بِفُؤَادِهٖ'' (معجم کبیر للطبرانی: ۱۲۴۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے، ایک مرتبہ رؤیت بچشم سر ہوئی اور ایک مرتبہ رؤیتِ قلبی ہوئی۔

امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ اور شارح عقیدۃ الطحاوی علامہ ابن ابی العز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وَاَنَّ الصَّحِیْحَ اَنَّهٗ رَاٰهُ بِقَلْبِهٖ وَلَمْ یَرَهٗ بِعَیْنِ رَاْسِهٖ'' صحیح قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو رؤیت قلبی ہوئی ہے۔ (شرح عقائد نسفی: ۱۰۵)

لیکن علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان یہ ہے کہ آپ کو رؤیت بچشم سر ہوئی، اور سورۂ نجم کی آیات میں رؤیت سے رؤیتِ جبرئیل اور رؤیتِ باری تعالیٰ دونوں مراد ہوسکتے ہیں، دونوں کا احتمال موجود ہے، اور سورۂ نجم کی آیات میں اگر رؤیت باری مراد لی جائے تو اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رؤیت بچشم سر ہوئی ہے، صرف دل کی رویت نہیں تھی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الملہم اور نوادراتِ قرآن۔

علامہ قرطبیؒ اور ابنِ حجر عسقلانیؒ کا احتیاطی پہلو:

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے المفہم میں اس مسئلہ میں توقف کو راجح قرار دیا ہے، اور محققین کی ایک جماعت کو اسی کی جانب منسوب کیا ہے، اور یہ بات قوت سے بیان کی ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، اور وہ روایات جن سے دونوں فریق نے استدلال کیا ہے، وہ متعارض ہیں اور تاویل کے قابل ہیں، اور پھر یہ مسئلہ اعمال سے متعلق بھی نہیں ہے کہ دلیل ظنی کافی ہو جائے، بلکہ اعتقادات کی قبیل سے ہے، جس میں دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے اس لئے اس مسئلہ میں توقف ہی بہتر ہے۔ (فتح الباری: کتاب تفسیر القرآن: ۲/۱۲/۲۸۲) حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے بھی معارف القرآن میں سورۂ نجم کی تفسیر میں اسی قول کو محتاط کہا ہے۔

غرض یہ واقعۂ معراج سے متعلق کچھ تفصیلات ہیں، حق تعالیٰ شانہ ہمیں ان باتوں پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے، اور اپنے حبیب کی عظمت اور محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے۔ (آمین)

شب برأت

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

”حٰمٓ۔ وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ۔ فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ۔ رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (الدخان: ۱ تا ۷)

”قسم ہے اس واضح کتاب کی، ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے، اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے، ہم (آپ کو پیغمبر بنا کر) بھیجنے والے تھے، بسبب اس رحمت کے جو آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے، بیشک وہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے۔

تین بابرکت راتیں:

محترم بزرگانِ دین اور برادران اسلام!

نصف شعبان کی شب بڑی اہمیت والی ہے، اور ہمارے لئے بڑے اہتمام کی ہے، شبِ معراج بھی بڑی رات ہے، شب قدر بھی بڑی رات ہے، اور شب برات بھی بڑی رات ہے۔

سورہ دخان کی ان آیات میں مبارک رات سے کونسی رات مراد ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے شبِ برأت مراد ہے، اس لئے یہ چند آیات آپ کے سامنے تلاوت کی گئیں، لیکن کچھ علماء کہتے ہیں کہ اس رات سے شب قدر مراد ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۰۹/۱۶)

شبِ معراج متعین نہیں ہے، لوگوں میں مشہور ہے کہ وہ رجب کی ستائیسویں شب ہے، لیکن اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، اور آپ سے اس کے بارے میں کوئی فضیلت یا عمل ثابت نہیں ہے، اس رات آپ کے ساتھ ایک اہم معجزہ پیش آیا تھا، جس میں آپ کو آسمانوں پر لے جایا گیا تھا، رب کی بارگاہ میں حاضری ہوئی، ملاقات ہوئی، دیدار ہوا، وغیرہ، اس معجزہ کی نسبت سے اس میں برکت ہے، نورایت ہے۔

شبِ قدر کا قرآن پاک میں ذکر ہے، اس کے بارے میں متعین نہیں ہے کہ وہ کونسی شب ہے، یہ طے ہے کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے، اور بعض صحابہ سے منقول ہے کہ رمضان کی ستائیسویں رات شب قدر ہوتی ہے، اس کے بہت سے فضائل قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔

شب برأت یہ ایک بابرکت رات ہے، اس کی تاریخ متعین ہے، یہ نصف شعبان کی رات ہے، اس رات سے متعلق کچھ باتیں آپ سے منقول ہیں، بعض روایات میں ہے کہ یہ مقدرات کے طے ہونے کی رات ہے، پورے سال جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ اس رات فرشتوں کے حوالے کیا جاتا ہے، دیکھنے میں ہمارے لئے سیدھی رات ہے، لیکن اگر آپ پورے سال کا جائزہ لیں کہ دنیا میں کیا ہوا؟ کیسے کیسے حالات پیش آئے؟ کیسے کیسے واقعات پیش آئے؟ انفرادی حالات، اجتماعی حالات، ملکوں کے حالات، سیاسی حالات،

اقتصادی حالات، خوشیوں کے اعتبار سے، غم کے اعتبار سے، پیدائش کے اعتبار سے، موت کے اعتبار سے، شادیوں کے اعتبار سے، طلاقوں کے اعتبار سے، نوکری اور ملازمت کے ملنے کے اعتبار سے اور ملازمت کے چلے جانے کے اعتبار سے تو یہ بہت ہی اہمیت والی رات ہے۔

چودہ شعبان سال کا آخری دن ہے

ان اعتبارات سے دیکھا جائے تو چودہ شعبان سال کا آخری دن ہوتا ہے، جیسے پیسوں کے حساب وکتاب کا ایک آخری دن ہوتا ہے، تعلیم کا ایک آخری دن ہوتا ہے، اسی طرح اعمال کا بھی ایک آخری دن ہوتا ہے، اور وہ ہے چودہ شعبان، پندرہ شعبان سے ایک معنٰی میں نئے سال کا آغاز ہوتا ہے، بہت سے لوگوں نے ماشاء اللہ روزہ بھی رکھا ہوا ہے، یہ مستحب عمل ہے، حدیث میں اس کی ترغیب ہے۔

پندرہ شعبان کے روزہ کی حکمت:

اس کی ایک حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ چونکہ سال کا آغاز ہو رہا ہے، اعمال کا آغاز ہو رہا ہے، اگر اس کی ابتداء روزہ سے ہو تو یہ اچھی بات ہے، اس لئے پندرہ شعبان کا روزہ مستحب قرار دیا گیا، جیسے دیگر اعمال کے شروع میں بسم اللہ یعنی اللہ کا نام لینا مستحب ہے، اللہ کا نام لینے سے اس کام میں برکت ہوتی ہے، اسی طرح سال کی ابتداء میں اللہ کی عبادت کرنے سے سال بھر گویا برکت ہوگی، یہ بات احادیث میں نہیں ہے، میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں، لہذا جب بندہ روزہ رکھتا ہے تو اس کا پہلا دن مکمل عبادت میں ہوتا ہے، سو رہا ہے تب بھی عبادت میں ہے، جاگ رہا ہے، تب بھی عبادت میں ہے، ملازمت کر رہا ہے تب بھی عبادت میں ہے، روزہ دار ہمیشہ عبادت میں ہوتا ہے، تکوینی سال کا آغاز اگر عبادت سے ہو تو ہمارے لئے نیک فالی ہے۔ اس لئے اس دن روزہ

رکھ لیا جائے تو بہتر ہے۔

احکامِ تکوینیہ کی رات:

بزرگان دین کہتے ہیں کہ یہ رات احکامِ تکوینیہ کی رات ہے، تکوین ان امور کو کہتے جن کا اختیار بندوں کو نہیں ہوتا، احکام کی دراصل دو قسمیں ہیں، ایک تشریع اور دوسرے تکوین، تشریع یعنی وہ احکام جن کے بندے مکلف ہیں، جیسے نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ، تکوین یعنی وہ خدائی فیصلے اور احکامات جن میں بندوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، جیسے موت، حیات، رزق، تنگی وغیرہ، یہ رات ان فیصلوں کی رات ہے۔

شب برأت اسلامی سال کا آغاز ہے:

چونکہ اس رات فیصلے ہوتے ہیں، اور خدائی احکامات دنیا میں نازل ہوتے ہیں اور مکمل ایک سال یعنی آئندہ سال اس تاریخ تک آنے والے تمام امور فرشتوں کے سپرد کئے جاتے ہیں، جیسا کہ بعض ضعیف روایات سے معلوم ہوتا ہے، اس اعتبار سے یہ رات ہمارے لئے نئ سال کی حیثیت رکھتی ہے، ہمارے فیصلوں اور اعمال کے اعتبار سے یہ نیا سال ہوتا ہے، نئ زندگی ہوتی ہے، اور کسی کو پتا نہیں ہوتا ہے کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا گیا؟ کون اس سال زندہ رہے گا؟ اور کون مردہ ہوگا؟ آدمی امریکہ میں رہے یا انڈیا میں، پاکستان میں رہے یا بنگلہ دیش میں، عرب میں رہے یا کہیں کسی دوسرے ملک میں، امیر ہو یا غریب، خوشحال ہو یا پریشان، بیمار ہو یا صحت مند، بیماری بھی ایک ہو یا دس، کسی کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، کسی کو موت سے فرار نہیں، سب کے فیصلے اس رات لکھے جاتے ہیں۔ یہ بات کتنی فکر والی ہے!

کسی کے پاس ایک مہینہ ہے، کسی کے پاس چھ مہینے، کسی کے پاس آٹھ مہینے، کسی کے

پاس ایک سال۔ جو اس سال انتقال کر چکے ہیں ان کو کیا پتہ تھا کہ شعبان میں ان کا پتہ گر چکا ہے، یہ ایک تعبیر ہے، دراصل یہ بات مشہور ہے کہ عالم برزخ میں ایک درخت ہے، جس کے اوپر اتنے پتے لگے ہوئے ہوتے ہیں جتنے انسان ہوتے ہیں، جس کو اس سال مرنا ہوتا ہے اس کا پتہ پیلا پڑ جاتا ہے، ان پتوں کا پیلا پڑنا موت کے وقت کے قریب ہونے کی علامت ہوتی ہے، اور جتنے گرتے ہیں اتنے مرتے ہیں، اس لئے لوگوں میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ پتا نہیں کس کا پتہ پیلا پڑ گیا اور کس کا پتہ گر گیا۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ آدمی شادی کرتا ہے، اس کی اولاد ہو رہی ہوتی ہے اور اس کا نام مرنے والوں میں لکھا جا رہا ہوتا ہے، الفاظ حدیث اس طرح ہیں:

تُقطَعُ الآجَالُ مِن شَعبَانَ إلٰی شَعبَانَ حَتّٰی أَنَّ الرَّجُلَ لَیَنکِحُ وَیُولَدُ لَهٗ وَقَد خَرَجَ اِسمُهٗ فِي المَوتیٰ (شعب الایمان: ۳۸۳۹)

رسول اللہ نے فرمایا کہ ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک کی اموات کا فیصلہ کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی نکاح کرتا ہے اور اس کو اولاد ہوتی ہے، لیکن مرحومین میں اس کا نام نکلتا ہے۔

اس مرتبہ پندرہ شعبان بدھ یعنی چہار شنبہ کے دن ہے، کیونکہ رجب کی ۲۹ کو چاند نظر نہیں آیا، ۲۹ تاریخ کے اعتبار سے غالباً منگل کا دن آرہا تھا، لیکن چونکہ مہینہ تیس کا تھا، اس لئے ۱۵ شعبان بدھ کے دن ہے، تاریخ اور دن بتانے کا مقصد یہ ہے کہ پندرہ شعبان سے پہلے جو اوقاتِ صلوۃ چھپ گئے ہیں ان میں تاریخ کی تبدیلی کر لیں، کیونکہ اسلامی اعتبار سے چاند کی تاریخیں اندازہ سے لکھی جاتی ہیں، کیونکہ چاند کی تاریخ چاند دیکھ کر ہی متعین کی جاسکتی ہے، حساب پر اس کا دارو مدار نہیں ہوتا، اور کبھی چاند نظر آتا ہے اور کبھی نہیں، اس لئے ایک دو دن کی تاریخیں جو آگے پیچھے ہو جاتی ہیں، اس کی اصلاح

کرلیں، چونکہ یہاں چاند کی تاریخوں سے متعلق کافی اختلاف پایا جاتا ہے، اور اپنی رؤیت ہلال کمیٹی پر اعتماد کے بجائے دوسرے ممالک کی اتباع کا زیادہ غلبہ ہے اس لئے ضمنی طور پر اس کی وضاحت کی گئی۔

شبِ برأت کے بارے میں راہِ اعتدال اپنائیں:

کچھ لوگ اس رات کے بارے میں افراط اور کچھ تفریط میں مبتلا ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل ہی نہیں ہے اور اس رات کی فضیلتیں بے بنیاد ہیں، اور کچھ لوگ اس کی فضیلت میں اس درجہ آگے بڑھ جاتے ہیں اور ایسے ایسے کام کرتے ہیں جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، یہ بھی غلط ہے، ہم چونکہ ایک معتدل امت ہیں "وَكَذَالِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا" (البقرۃ:۱۴۳) اور ہمیں اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے، اس لئے اس مسئلہ میں بھی اعتدال کی راہ اپنانی چاہیے، نہ افراط میں مبتلا ہونا ہے، اور نہ تفریط میں، جتنا ثابت ہے اس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ہے، اس کا انکار غلط ہے، اور جو ثابت نہیں ہے اس پر عمل کرنا اس کو ثابت ماننا بھی غلط ہے۔

شب برأت کے تین کام

اس رات کی اصل موجود ہے، اسلامی اعتبار سے یہ رات بہت عظیم، عبادت کی رات ہے، اس موقع پر تین کام حضور پاک سے ثابت ہیں، دو حکم کی شکل میں اور ایک فعل کی شکل میں، یعنی دو کام کرنے کا حضور نے حکم دیا، اور ایک کام خود آپ نے کیا ہے، سرکار کا فرمانا بھی ہمارے لئے حجت ہے، اور سرکار کا کسی کام کو کرنا بھی ہمارے لئے حجت ہے۔

پہلا حکم آپ نے یہ ارشاد فرمایا:

قُومُوا لَيلَهَا۔ (سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ: ۱۳۸۸) پندرہ شعبان کی رات کو قیام کرو۔

اور دوسرا حکم فرمایا: "صُومُوا نَهَارَهَا" پندرہ شعبان کے دن میں روزہ رکھو۔

تیسری بات جو اس موقع پر ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اس رات آپ جنت البقیع تشریف لے گئے، اور وہاں مرحومین کیلئے دعائے مغفرت فرمائی، استغفار فرمایا، اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ فعل آپ کے ساتھ خاص تھا، اس لئے اس کام کی ہمیں بھی اجازت ہے، اسی لئے علماء نے فرمایا کہ یہ تین کام اس رات میں کرنے کے ہیں۔(۱) عبادت۔(۲) روزہ۔(۳) قبرستان جاکر مرحومین کے لئے دعا اور استغفار۔

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت سے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کے فیصلے اس رات ہوتے ہیں، جب کہ دیگر روایات بتلاتی ہیں کہ شبِ برأت میں بھی یہ فیصلے کئے جاتے ہیں، دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نصف شعبان کی رات میں فیصلوں کا لکھنا مراد ہے، اور شب قدر میں اس سے فراغت اور فرشتوں کے حوالے کئے جانا مراد ہے۔(روح المعانی:۱۸/۴۲۷)

یعنی تمام فیصلے تو حق تعالیٰ نے پہلے سے لکھ دئے ہیں، اس لئے اس رات از سر نو فیصلے نہیں لکھے جاتے ہیں، بلکہ فرشتوں کے حوالے کرنے کے لئے لوح محفوظ سے ان فیصلوں کو شب برأت میں لکھا جاتا ہے،، گویا اس کی ایک کاپی تیار کی جاتی ہے، اور لوح محفوظ سے سماء دنیا پر اس کو منتقل کیا جاتا ہے اور پھر شب قدر میں اس کو متعلقہ فرشتوں کے حوالہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً رزق کا رجسٹر میکائیل کے حوالہ کیا جاتا ہے، اموات کا رجسٹر ملک الموت کے حوالے، اعمال کا رجسٹر حضرت اسماعیل کے حوالہ، جنگوں، زلزلے، زمین میں دھنسنے کے واقعات کا رجسٹر حضرت جبرئیل کے حوالہ کیا جاتا ہے۔(روح المعانی:۱۳/۱۱۲)

یہاں اس بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ایک ہے اس رات کی فضیلت، اور ایک ہے اس رات میں مخصوص اعمال اور مخصوص عبادتوں کا کرنا، یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں، اس رات کی فضیلت تو ثابت ہے، اس کا انکار مشکل ہے، لیکن اس رات اجتماع یا مخصوص طریقوں پر نماز ادا کرنا اور اس میں مخصوص سورتیں پڑھنا، یا دیگر خاص اعمال کرنا، یا خاص کھانے پکانا، مرحومین اور ارواح کے آنے کا عقیدہ رکھنا غلط ہے، جو عبادت کرنا چاہے کر سکتا ہے، لیکن کوئی خاص عبادت، کوئی خاص عمل، خاص طریقہ آپ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ جتنی احادیث خاص نمازوں اور خاص اعمال کے بارے میں مروی ہیں وہ سب بے اصل ہیں۔

البتہ اس رات بزرگان دین کے کچھ مجربات ہیں، اور کچھ مخصوص اعمال ہیں، ان کو سنت اور ضروری سمجھے بغیر کیا جائے تو گنجائش ہے۔

کیا احادیثِ ضعیفہ قابلِ استدلال نہیں؟

جتنی روایات شب برأت کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں ان میں سے اکثر ضعیف ہیں، لیکن جب ضعیف روایات کئی جمع ہو جائیں تو وہ حسن درجے کی ہوتی ہیں اور ان کا مجموعہ قابلِ استدلال ہوتا ہے، اس لئے یہاں بھی ان روایات کے مجموعہ سے اس رات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اس لئے اس کا انکار کرنا بھی غلط ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان، ۲/۲۷۷)

شب برأت کے بارے میں روای صحابہ کے نام اور تعداد:

اب ذرا اس پر بھی نظر ڈال لیتے ہیں کہ کتنے صحابہ سے اس کے فضائل مروی ہیں؟ روایات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً دس سے زائد صحابہ کرامؓ سے شب

برأت کی فضیلتوں کے بارے میں روایات مروی ہیں۔

(۱)حضرت عائشہ ۔(۲)حضرت علی ۔(۳)حضرت ابو موسیٰ اشعری ۔ (۴) حضرت ابو بکر صدیق ۔(۵)حضرت معاذ بن جبل ۔(۶)حضرت ابن عمر ۔(۷) حضرت انس بن مالک ۔(۸)حضرت عوف بن مالک ۔(۹)حضرت ابو امامۃ باہلی ۔(۱۰)حضرت عبداللہ بن عمرو ۔(المجالس العشرۃ للحسن الخلال: ۳/۱)(۱۱)حضرت یزید بن جاریہ ۔(معجم الصحابہ لابن قانع:۱۸۰/۷)

نیز حضرت ابو ثعلبہ خشنی اور کثیر بن مرۃ الحضرمی کی مرسل روایات بھی ہیں۔(شعب الایمان للبیہقی :باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان::۳۵۹/۵)

جب اتنے سارے صحابہ سے اس رات کی فضیلت مروی ہو تو کیسے اس کی فضیلت کا انکار کیا جاسکتا ہے؟

شبِ برأت میں اہل مکہ کا عمل:

اور پھر اس بارے میں صرف روایات ہی نہیں بلکہ قرون مشہود لہا بالخیر میں عمل کا اہتمام بھی ملتا ہے؟ چنانچہ علامہ فاکہی لکھتے ہیں کہ اہلِ مکہ کا عمل آج تک بھی جاری ہے کہ جب نصف شعبان کی رات ہوتی ہے تو مرد اور خواتین مسجدوں سے نکل جاتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، طواف کرتے ہیں، اور اپنی راتوں کو مسجد حرام میں قرأت کے ذریعہ زندہ کرتے ہیں حتٰی کہ وہ تمام قرآن کو ختم کردیتے ہیں۔(اخبارِ مکۃ للفاکہی:۲۳/۵)

شب برات میں حق تعالیٰ کا آسمان دنیا پر نزول فرمانا:

اب ہم کچھ ان روایات کا تذکرہ کرتے ہیں جو شب برأت کے سلسلہ میں منقول ہیں، چنانچہ اس کے فضائل میں ایک بات یہ ملتی ہے کہ اس رات حق تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول

فرماتے ہیں، حدیث شریف میں ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ یَنْزِلُ لَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیَغْفِرُ لِاَکْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ کَلْبٍ" (سنن ترمذی: کتاب الصوم، ۷۳۹)

"بے شک اللہ پاک شعبان کی نصف رات سماءِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں پھر قبیلۂ بنو کلب کی بکریوں کی تعداد کے بقدر بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں"

اللہ تعالیٰ کا آسمانِ اول پر نزول فرمانے کا مطلب خصوصی توجہ فرمانا ہے، کیونکہ اللہ کا اترنا ہمارے جیسا نہیں ہے، لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیعُ الْبَصِیرُ (الشوریٰ: ۱۱)

کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی ہر بات کا سننے والا دیکھنے والا ہے۔

جیسے اللہ کی شان ہے، ویسے ان کا نزول ہے، اس کی حقیقت ہم نہیں سمجھ سکتے، اس طرح کی آیات اور روایات متشابہات میں سے ہوتی ہیں، اور متشابہات کے بارے میں اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ اس کا علم اور اس کی مراد اللہ کے حوالہ کر دی جائے، اس لئے ہم اس کی حقیقت کو اللہ ہی کے حوالہ کرتے ہیں، لیکن چونکہ نادانوں یا کم فہم لوگ اعتراض کرتے ہیں اور گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں اس لئے ان کو سمجھانے کے لئے اس کی تاویل کرتے ہیں، اور علماء نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اللہ کا نزول انسانوں کی طرح نہیں ہوتا، اس لئے ان کے نزول فرمانے سے مراد ان کا خاص توجہ کرنا ہے۔ اس رات حق تعالیٰ کی بندوں پر چونکہ خصوصی توجہ ہوتی ہے، اس لئے ان کے نزول سے انہی توجہات کا نزول مراد ہے۔

شبِ برأت میں دربارِ شاہی سے اعلان:

جب حق تعالیٰ کی خصوصی توجہ ہوتی ہے تو شاہی دربار سے اعلانات کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے، حضرت عثمان بن ابی العاص کہتے ہیں کہ نبی نے ارشاد فرمایا:

"اِذَا کَانَ لَیْلَۃُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَادیٰ مُنَادٍ: ھَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَہٗ، ھَلْ مِنْ سَائِلٍ فَاُعْطِیَہٗ فَلَا یَسْاَلُ اَحَدٌ شَیْئًا اِلَّا اُعْطِیَ اِلَّا زَانِیَۃٌ بِفَرْجِھَا اَوْ مُشْرِکٌ" (شعب الایمان: ۳۵۵۵)

جب نصف شعبان کی رات ہوتی ہے تو ایک ندا دینے والا ندا دیتا ہے، ہے کوئی مغفرت چاہنے والا؟ جس کی میں مغفرت کروں، ہے کوئی مانگنے والا؟ جس کی ضرورت میں پوری کروں، پس کوئی آدمی کسی چیز کو نہیں مانگتا مگر یہ کہ میں وہ اسے دے دیتا ہوں، سوائے اپنی شرمگاہ سے زنا کرنے والے کے اور مشرک کے۔

شبِ برأت اور مغفرت:

حضرت عائشہ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے آپ کو نہیں پایا، میں باہر نکلی تو آپ کو دیکھا کہ آپ جنت البقیع میں تشریف فرما ہیں، میں نے گمان کیا تھا کہ آپ اپنی بعض ازواج کے پاس گئے ہیں، نبی نے اس کو بھانپ لیا، اور ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ یَنْزِلُ لَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیَغْفِرُ لِاَکْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ کَلْبٍ" (سنن ترمذی: کتاب الصوم، ۷۳۹)

"بے شک اللہ پاک شعبان کی نصف رات سماءِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں پھر قبیلۂ بنو کلب کی بکریوں کی تعداد کے بقدر بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں"

علماء نے لکھا ہے کہ بنو کلب عرب کا ایسا قبیلہ تھا جو بکریاں بہت زیادہ پالتا تھا، ظاہر ہے کہ جس کے پاس بکریاں زیادہ ہوں گی تو اس کے پاس بال بھی زیادہ ہوں گے، گویا اللہ پاک یہ فرمانا چاہ رہے ہیں کہ اگر کسی کے پاس اتنے گناہ بھی ہوں گے تو میں اس کی بخشش کردوں گا، گویا اس قبیلے کی تخصیص سے بھی اللہ پاک اپنی رحمت اور مہربانی کی وسعت کو بیان کر رہے ہیں، چاہے بندہ کے گناہ کتنے ہی کیوں نہ ہو اس رات اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

مُلّا علی قاری نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں افراد نہیں بلکہ گناہوں کی کثرت کی معافی بتائی گئی ہے کہ اگر کسی کے گناہ قبیلۂ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کے بقدر ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دیتے ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴۴۰/۴)

حضرت عائشہ سے ہی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ایک رات کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے، اور رکوع اتنا لمبا کیا کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ کہیں آپ کی روح پرواز تو نہیں ہوئی، میں کھڑی ہوئی اور آپ کے انگوٹھے مبارک کو حرکت دی، تو آپ نے حرکت کی، پھر آپ جب نماز سے فارغ ہوئے، تو کہنے لگے:

"یَاعَائِشَۃُ اَوْ یَا حُمَیْرَاءُ ظَنَنْتِ اَنَّ النَّبِیَّ خَاسَ بِکِ"؟

اے حمیراء! کیا تو نے یہ سمجھا تھا کہ نبی نے تیرے ساتھ بے وفائی کی، میں نے کہا کہ: نہیں اے اللہ کے رسول! میں آپ کے سجدہ کے لمبا ہو جانے کی وجہ سے یہ سمجھی تھی کہ کہیں آپ کی روح پرواز تو نہیں کر گئی، پھر آپ نے فرمایا:

"اَتَدْرِیْنَ اَیَّ لَیْلَۃٍ ھٰذِہٖ؟ قُلْتُ: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ"

تم جانتی ہو کہ یہ کونسی رات ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا:

ھٰذِہٖ لَیْلَۃُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَطَّلِعُ عَلٰی عِبَادِہٖ فِیْ لَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِلْمُسْتَغْفِرِیْنَ، وَیَرْحَمُ الْمُسْتَرْحِمِیْنَ" (شعب الایمان للبیہقی: ۳۵۵۴)

یہ شعبان کی نصف رات ہے، بے شک اللہ پاک اپنے بندوں پر خصوصی روجہ فرماتے ہیں نصف شعبان کی رات، اور مغفرت چاہنے والوں کی مغفرت کرتے ہیں، اور رحم طلب کرنے والوں پر رحم فرماتے ہیں۔

بعض روایات میں مروی ہے:

یا عائشہ أَکُنْتِ تَخَافِینَ أَنْ یَحِیفَ اللهُ عَلَیْکِ وَرَسُولُهُ، بَلْ أَتَانِي جِبْرِیلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ، فَقَالَ: هَذِهِ اللَّیْلَةُ لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَللهِ فِیهَا عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ بِعَدَدِ شُعُورِ غَنَمِ کَلْبٍ، لَا یَنْظُرُ اللهُ فِیهَا إِلَی مُشْرِکٍ، وَلَا إِلَی مُشَاحِنٍ، وَلَا إِلَی قَاطِعِ رَحِمٍ، وَلَا إِلَی مُسْبِلٍ، وَلَا إِلَی عَاقٍّ لِوَالِدَیْهِ، وَلَا إِلَی مُدْمِنِ خَمْرٍ "(شعب الایمان:۳۵۵۶)

اے عائشہ کیا تمہیں خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تمہارے ساتھ زیادتی کرے گا، بلکہ جبرئیل میرے پاس تھے، اور کہا کہ یہ رات نصف شعبان کی رات ہے، اور اس رات اللہ کی طرف سے جہنم سے قبیلۂ بنو کلب کی بکریوں کی تعداد میں لوگ آزاد کئے جاتے ہیں، لیکن اس مبارک رات میں اللہ پاک مشرک، کینہ پرور، رشتہ توڑنے والے، ازار ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے، والدین کا نافرمان اور ہمیشہ شراب پینے والے کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماتے ہیں۔

صرف روزی نہیں بلکہ مغفرت طلب کریں:

میں ایک بزرگ کا کلام پڑھ رہا تھا، انہوں نے بڑی پیاری بات فرمائی، فرمایا کہ لوگوں کے نزدیک مغفرت کی اتنی اہمیت نہیں جتنی روزی کی ہے، لوگ یہ چاہتے ہیں کہ بخشش ہو کہ نہ ہو روٹی مل جائے، لیکن اللہ کا نظام یہ ہے کہ مغفرت مانگو خود بخود روزی دی جائے گی۔ جو دینے والا ہے جب وہ خود یہ کہہ رہا ہے کہ مغفرت مانگو میں خود روزی دے دوں گا پھر بھی ہمیں مغفرت کی طلب نہیں، جب کہ اس میں دین اور دنیا دونوں کا فائدہ ہے، لیکن پھر بھی ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

استغفار کی حقیقت:

حضرت تھانوی نے لکھا ہے کہ استغفار کا روزی میں بہت خاص دخل ہے، اگر کوئی

آدمی استغفار کی کثرت کرے تو روزی میں برکت ہوتی ہے،اور استغفار کا مطلب ہے اپنے آپ کو قصوروار مان لینا،اپنی غلطی کا اقرار کرنا،اپنے گناہوں پر نادم ہونا،اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنا،لیکن ہمارے معاشرہ میں ابتداء ہی سے کسرِ نفسی ختم کردی جاتی ہے، اور "میں" پن سکھایا جاتا ہے،پری اسکول سے ایک مائینڈ(mind)بنادیا جاتا ہے:آئی ایم(I am)، میں ہی ہوں،میرے جیسا کوئی نہیں ہے،اور جس دن بندے کے دماغ میں یہ آجائے کہ میں اچھا ہوں تو اسی وقت وہ اللہ کی نظروں سے گرجاتا ہے، کیونکہ اس کی حقیقت اللہ پاک جانتے ہیں،کیونکہ وہ تو گناہوں کا مجموعہ ہے ، غلطیوں کا مجموعہ ہے، تقصیرات کا مجموعہ ہے، محتاجیوں کا مجموعہ ہے،جب اس کے اندر خامیاں ہی خامیاں ہیں،اور ہر چیز میں وہ محتاجِ خدا ہے، بلکہ وہ خود اپنے وجود میں بھی حق تعالیٰ کا محتاج ہے،اس کا اپنا کوئی وجود نہیں، اس کی اپنی صفات نہیں ہیں، کوئی چیز اس کی اپنی نہیں، سب حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، تو پھر کس اعتبار سے کہتا ہے کہ میں ہوں؟ پھر یہ انانیت کیسی؟ یہ ''میں پن'' کیوں؟اس لئے اللہ پاک یہ چاہتے ہیں کہ بندہ میرے سامنے عاجزی وانکساری کرے ، قصوروں کا اعتراف کرے،اپنی غلطی کو مان لے،اور میری تعریف کرے، پاکی اور بڑائی بیان کرے، کیونکہ بڑائی اللہ کو زیب دیتی ہے ہمیں نہیں، بلکہ بڑائی اسی کے لئے ہے،اور بڑائی اسی کا حق ہے،اسی وجہ سے حضرت ابوہریرہؓ سے ایک حدیثِ قدسی مروی ہے،اللہ پاک نے فرمایا:

''اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعُظْمَۃُ اِزَارِیْ، مَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِنْھُمَا. اَلْقَیْتُہٗ فِیْ جَھَنَّمَ''(سنن ابن ماجہ:کتاب الزہد،۴۱۷۴)

''کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے،جو مجھ سے ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی چھیننے کی کوشش کرے گا میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا''

اس لئے جو بندہ "میں" کہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے گھٹیا ہو جاتا ہے، ان کو معلوم ہے کہ اس کے پاس کیا ہے؟ اور کس کا ہے؟ اس لئے اللہ کو یہ پسند ہے کہ بندہ کہے کہ میں قصور وار ہوں، میں غلطی پر ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، میں کچھ نہیں ہوں، آپ سب سے اچھے ہیں، آپ سبحان ہیں، آپ پاک ہیں، آپ قدوس ہیں، آپ جبار ہیں، آپ ستار ہیں، آپ وھاب ہیں، صرف اللہ ہی کو "میں" کہنے کا حق ہے، اسی لئے وہ فرماتے ہیں: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا" میرے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور ہم سے کہا کہ تم یہ کہو! لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنتَ، نہیں ہے کوئی معبود سوائے آپ کے۔ ہاں مجازا "میں" کہنے کی ہمیں اجازت ہے۔ لیکن حقیقۃً سوائے اللہ کے کسی اور کو اس کا حق نہیں ہے۔

استغفار کے انعامات:

غرض اس انانیت کے مزاج کی وجہ سے اسے بارگاہِ رب میں جھکنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی، اگر جھک جائے تو اللہ پاک فرماتے ہیں:

"اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ يُّرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا۔ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا۔ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا۔ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا" (نوح: ۱۰ تا ۱۴)

تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا۔ اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگادے گا اور تمہارے لئے نہریں بہادے گا۔ (میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ) تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو، حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا۔

اس آیت میں اللہ پاک نے استغفار کے چار انعامات ذکر فرمائے ہیں، (۱) بارش خوب ہو گی۔ (۲) اموال میں برکت ہو گی۔ (۳) اولاد میں برکت ہو گی۔ (۴) باغات اور نہریں

بنائی جائیں گی۔ جن چیزوں کے پیچھے ہم اپنی ساری زندگی صرف کر دیتے ہیں اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ وہ صرف ایک ہی چیز میں مخفی ہیں، اور وہ استغفار ہے۔

قومِ سبا کی ہلاکت کا سبب:

جن لوگوں نے استغفار نہیں کیا، بڑا پن کیا، تکبر کیا، ناز کیا، ناشکرا پن کیا، ان کا انجام کیا ہوا؟ اللہ پاک نے دنیا میں ہی ان کا انجام بتلادیا، بعض لوگ سوچتے ہیں کہ ہمارے پاس پہلے سے بہت کچھ ہے، ہر قسم کی سہولت ہے، کسی قسم کی کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں ہے، ہمیں کچھ مانگنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، نہ یہاں پانی کی کمی ہے، نہ یہاں زمین کے اندر ذخائر کی کمی ہے، نہ اس کے اندر اُگنے کی کمی ہے، یہی سوچ قومِ سبا کی بھی تھی، ان کا بھی یہی خیال تھا کہ ان کے پاس سب کچھ ہے، پہلے ان کے پاس عمدہ شہر تھا، دو دو باغ تھے، سرسبز و شاداب تھے، بہترین پھل آور تھے، زندگی خوشحال تھی، لیکن چونکہ ان کے مزاج میں عاجزی نہیں تھی، انکساری نہیں تھی، ناشکری تھی اور تکبر تھا، اس لئے اللہ پاک نے انہیں اس کی سزا دی اور دنیا کو بتلادیا کہ ناشکری اور حق تعالیٰ کے سامنے نہ جھکنے کا انجام کیا ہوتا ہے! فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ (السبا:۱۵)

سبا کے (لوگوں) کے لیے ان کے وطن (کی مجموعی حالت) میں نشانیاں موجود تھیں دو قطاریں تھیں باغ کے دائیں اور بائیں۔ اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو (کہ رہنے کو) عمدہ شہر اور بخشنے والا پروردگار ہے۔

"فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ" (سبا:۱۶)

سوانہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا، ور ہم نے ان کے دو رویہ باغوں کے بدلے اور دو باغ دے دیے جن میں دو چیزیں رہ گئیں، بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری، ان کو یہ سزا ہم نے ان کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں۔

جب انہوں نے ناشکری کی تو پھر ہم نے ان کا پورا کا پورا نظام ہی بدل دیا، ہم نے پانی ختم کر دیا، ان کی نہروں کے نظام کو برباد کر دیا، باغات کی جگہ خاردار جھاڑیاں اگا دیں، نہ کھانے کو کچھ رہا، نہ رہنے کو کچھ رہا، سیلاب کے سیلاب اور طوفان کے طوفان نے پورے کے پورے شہر کو صاف کر دیا۔

ایک جگہ فرمایا: ''وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَّكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ''(القصص:۵۸)

اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامانِ عیش پر نازاں تھے سو (دیکھ لو) یہ ان کے گھر (تمہاری آنکھوں کے سامنے پڑے) ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لیے۔ اور آخر کار (ان کے ان سب سامانوں میں) ہم ہی مالک رہے۔

کتنی بستیاں ہم نے اس سے پہلے تباہ کر دی ہیں، جو اپنی معیشت پر اکڑ گئی تھیں، اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں دیا تھا، لیکن انہوں نے سمجھا کہ یہ چیزیں ان کو ویسے ہی مل گئیں، اس واسطے کہ وہ اس کے مستحق تھے، انہیں یہ ملنا ہی چاہیے تھا، حالانکہ وہاں نیاز مندی ہونی چاہیے تھی، شکر گذاری ہونی چاہیے تھی، اس کے بجائے انہوں نے بطر کیا، بطر کہتے ہیں اکڑ پن کو، اس لئے اللہ انہیں خاک میں ملا دیا، اور تباہ و برباد کر دیا، ان کی خوشحال اور مست زندگی کو بدحالی اور تنگی میں بدل دیا، اور فرمایا کہ ہمارا شکر کرو، ہمارے

سامنے سر جھکاؤ، ہم سے ناز و نیاز کرو، ہمارے سامنے گڑگڑاؤ، اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرو، معافی مانگو، سوال کرو، اس کے بعد اپنی زندگی میں عیش دیکھوگے، اسی کا نام استغفار ہے۔ اسی کی بدولت روزی میں برکت ہوتی ہے، جاب (Job) محفوظ ہوتا ہے، جاب میں ترقی ہوتی ہے، پریشانیاں کم ہوتی ہیں، آسانیاں پیدا ہوتی ہیں، نئے نئے مسائل پیدا نہیں ہوتے، یہ تو دنیا کا فائدہ ہے، اور آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ گناہوں کی بخشش ہوتی ہے، جنت ملتی ہے، اللہ کی خوشنودی ملتی ہے۔ اور یہ رات اسی کام کے لئے ہے، اس لئے اس کو غنیمت جانیں، بارگاہِ رب میں اپنے گناہوں سے مغفرت طلب کریں۔ اپنی اپنی حاجتیں مانگیں، عاجزی اور نکساری کریں۔

شب برأت اور رزق کی تقسیم

دوسری صدا جو اس رات لگائی جاتی ہے وہ رزق کی ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَا مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَاَرْزُقَهٗ اَلَا هَلْ مِنْ مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهِ اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ "(سنن ابن ماجه: كتاب اقامة الصلاة: ۱۳۸۸)

ہے کوئی رزق کا طلبگار کہ میں اسے رزق عطا کروں، اور ہے کوئی مصیبتوں میں مبتلا کہ میں اس کو عافیت بخشوں" اس طرح حق تعالیٰ کی طرف سے فجر تک یہ نداؤں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

رزق ایسی چیز ہے کہ اگر آپ دعا نہیں بھی کریں گے تو جو مقدر میں ہے وہ ملے گا، بلکہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ آپ یہ دعا کریں گے کہ مجھے نہ ملے تب بھی ملے گی، کیونکہ رزق اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھا ہے "وَمَامِن دَابَّةٍ فِي الأَرضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزقُهَا" (هود: ٦)

اور کوئی (رزق کھانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

جو زمین پر چلتا ہے اور جتنے دن چلتا ہے اتنے دن کی روزی اللہ کے ذمہ ہے، اس لئے ہمارے یہ کہنے سے کہ آپ ہمیں روزی مت دیجئے ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا، یہی وجہ ہے کہ رزق کافر، ملحد، مشرک، منافق اور دہریہ سب کو ملتا ہے، ان کا رزق طے کر دیا جاتا ہے اور یہ بھی طے ہوتا ہے کہ اس بندہ کو کیا کیا رزق ملے گا؟ کتنا ملے گا؟ کب ملے گا؟

غرض اس رات حق تعالیٰ کی جانب سے مغفرت، رزق اور حاجات سے متعلق ندا لگائی جاتی ہے کہ ہے کوئی جو مجھ سے مغفرت طلب کرے؟ اور میں اس کو معاف کروں، ہے کوئی جو مجھ سے رزق طلب کرے؟ اور میں اس کو رزق دوں، ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے؟ اور میں اس کی حاجت پوری کروں، ہے کوئی جو مجھ سے صحت مانگے؟ اور میں اسے صحت دوں، ہے کوئی جو مجھ سے عافیت مانگے؟ اور میں اسے عافیت دے دوں، روزی مانگنے والوں کو روزی دی جاتی ہے، مغفرت مانگنے والے کو مغفرت دی جاتی ہے، صحت مانگنے والے کو صحت دی جاتی ہے، عافیت مانگنے والے کو عافیت دی جاتی ہے، اس لئے ہمیں اللہ پاک کی اس ندا کی طرف توجہ دینی چاہیے، اس سے مانگنا چاہیے۔

دعا کیوں مانگیں؟

ہم مانگیں یا نہ مانگیں حق تعالیٰ اگرچہ ضرور دینے والے ہیں، لیکن خاص طور پر دعا کی تاکید اس لئے فرمائی کہ مانگنا اللہ کو پسند ہے، مانگنے میں محتاجگی، تواضع، عاجزی، انکساری پائی جاتی ہے، اور یہ اللہ کو پسند ہے کہ بندہ اپنی عاجزی اور رب کی کبریائی کا اظہار کرے۔ بندہ مانگتا ہے تو اللہ خوش ہوتے ہیں اور اس میں برکت بھی دیتے ہیں، مانگنے میں اپنائیت ہوتی ہے اس میں تعلق کا اظہار ہوتا ہے، دعا ایسی چیز ہے، روایات میں ہے کہ اس سے تقدیریں بدل جاتی ہیں، آپ نے فرمایا:

لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ (سنن ترمذی: ابواب القدر: ۲۱۳۹)

تقدیر کو کوئی چیز نہیں بدل سکتی سوائے دعا کے، یعنی دعا میں ایسی طاقت ہوتی ہے کہ اگر تقدیر کو کسی چیز سے بدلا جاسکتا تو دعا سے بدلا جاسکتا، کیونکہ دعا میں حق تعالیٰ کی ذات سے درخواست ہوتی ہے، اور اللہ پاک کی ذات قادر مطلق ہے، فَعَّالٌ لِّمَا یُرِید ہے، وہ جو چاہے فیصلہ فرمادیں، جب چاہے فیصلہ فرمادیں۔

دعا سے تقدیر کے بدلنے کا کیا مطلب ہے؟

علماء نے لکھا ہے کہ مقدارت پر دعاؤں کا اثر ہوتا ہے، اسی لئے اکابر کے یہاں خاص طور پر دعاؤں کے اہتمام کا معمول رہا ہے، یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ دعا کے تقدیر پر اثر کرنے کا کیا مطلب ہے؟ ایک مطلب تو یہ ہے کہ دعا میں اتنا اثر ہوتا ہے کہ اس سے حق تعالیٰ تقدیر بدل دیتے ہیں، دوسرا مطلب جو عموماً بیان کیا جاتا ہے یہ ہے کہ تقدیر جو فیصلۂ خداوندی ہے، اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، اگر اس میں تبدیلی ممکن ہوتی تو وہ دعا سے ہوتی، تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ تبدیلی تقدیر معلق کے اعتبار سے ہے، تقدیر مبرم کے اعتبار سے نہیں، علماء نے لکھا ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں، ایک تقدیرِ مبرم اور ایک تقدیرِ معلق، تقدیر معلق ایسی تقدیر کو کہتے ہیں جس میں حالات بندوں کے کاموں پر موقوف ہوتے ہیں، مثلاً فلاں شخص اگر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے تو اس کی روزی میں برکت ہوگی، اور اگر بدسلوکی کرے تو بے برکتی ہوگی، کوئی ماں باپ کی خدمت کرے تو اس کی روزی اور عمر میں برکت ہوگی، اگر وہ اپنے ماں باپ کو خوش نہ رکھے تو اس کی روزی اور عمر میں بے برکتی ہوگی، کسی نے اگر گناہ کئے تو حالات ایسے ہوں گے، اور اگر نیکیاں کی ہوں تو حالات ایسے ہوں گے، اگر کسی نے استغفار کی کثرت کی

ہو گی تو اس کے مال میں بھی اضافہ ہو گا، اولاد میں بھی اضافہ ہو گا، بارشیں بھی برسیں گی، روزی میں بھی اضافہ ہو گا، اگر استغفار نہ کیا ہو گا تو حالات اس طرح کے ہوں گے، اسی طرح کچھ حالات بندوں کی دعا سے بھی متعلق ہوتے ہیں، گر کسی نے دعا کی ہو گی تو اس کے یہ کام بن جائیں گے، اور حالات اس قسم کے ہوں گے، اور اگر دعا نہ کی ہو گی تو حالات اس طرح کے ہوں گے۔ یہ حالات تقدیر معلق کے اعتبار سے ہیں، ورنہ تقدیر مبرم جس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی جو حق تعالیٰ کا فیصلہ ہوتا ہے، اس اعتبار سے تقدیر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، کیونکہ تقدیر حق تعالیٰ کے علم ازلی اور فیصلۂ خداوندی کا نام ہے، جو غلط نہیں ہو سکتا، اور جو کبھی بدل نہیں سکتا۔

ایک جواب علماء نے یہ بھی دیا ہے کہ یہ تبدیلیاں تقدیر کے تحتانی یعنی نیچے درجے کے مراتب سے تعلق رکھتی ہیں، یعنی یہ تبدیلیاں فرشتوں کے اعتبار سے ہوتی ہیں، مثلاً حق تعالیٰ فرشتوں کو یہ کہتے ہیں اور ان کو یہ رجسٹر لکھ کر حوالہ کیا جاتا ہے کہ اگر حالات اس طرح کے ہوں تو بارش برسانا ورنہ نہیں، اور ظاہر ہے کہ فرشتوں کو تو علم غیب نہیں، جب وہ دیکھتے ہیں کہ بندے استغفار کر رہے ہیں، دعا کر رہے ہیں، تو بارش برساتے ہیں، اور اگر بندے استغفار نہیں کر رہے ہیں بارش روک لیتے ہیں، تو یہ تبدیلی فرشتوں کو جو نوشتہ یا رجسٹر دیا جاتا ہے اس کے اعتبار سے ہوتی ہے، حق تعالیٰ کے علم ازلی کے اعتبار سے نہیں، کیونکہ اللہ کے علم میں پہلے سے یہ ہوتا ہے کہ بندے دعا کریں گے، استغفار کریں گے، نیکیاں کریں گے، اور ان کے حالات اچھے ہوں، بارشیں برسائی جائیں گی، غلے اگائے جائیں گے، اموال کی کثرت ہو گی، یا پھر بندے استغفار کا اہتمام نہیں کریں گے تو ان کے حالات خراب ہوں گے۔

(نوٹ: تقدیر کے درجات اور ان کی تفصیلات حضرت مفتی صاحب کے افادات درس عقیدۃ الطحاوی میں ملاحظہ فرمائیں)

پندرہ شعبان کے روزہ کا حکم:

ایک مسئلہ اس رات کے بعد دن میں روزہ رکھنے کا بھی ہے، جیسا کہ حضرت علی سے مروی ہے:

"اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا .فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَقُوْلُ اَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ لِيْ فَاَغْفِرَ لَهٗ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَهٗ اَلَا مُبْتَلًى فَاُعَافِيَهٗ اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ" (سنن ابن ماجه: كتاب اقامة الصلاة: ١٣٨٨)

نبی نے ارشاد فرمایا کہ جب نصف شعبان کی رات ہو تو اس کے دن میں روزہ رکھو اور اس کی رات میں عبادت کرو، کیونکہ اللہ پاک غروب شمس سے آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ ہے کوئی مغفرت کا طلب گار کہ میں اس کی مغفرت کروں، ہے کوئی رزق کا طلبگار کہ میں اسے رزق عطا کروں، اور ہے کوئی مصیبتوں میں مبتلا کہ میں اس کو عافیت بخشوں" اس طرح حق تعالیٰ کی طرف سے فجر تک یہ نداؤں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

یہ روایت کمزور ہے، لیکن یہ بات بتلائی جاچکی ہے کہ اگرچہ ضعیف حدیث کے ذریعہ حلال و حرام سے متعلق مسائل ثابت نہیں کئے جاسکتے، لیکن فضائل کے باب میں وہ حجت ہوتی ہے، اس لئے اس حدیث سے روزہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اگر کوئی اس دن روزہ رکھے گا تو مستحب ہے، باعثِ ثواب ہے۔ (فتاوی عالمگیری: کتاب الصوم، ١: ٢٠٢)

اگر کسی کو عذر اور دشواری نہیں ہے تو روزہ رکھنا چاہیے، تاکہ ہمارے حساب کتاب کا پہلا یا تکوینی اعتبار سے پہلا دن روزہ سے شروع ہو، اور سال کا آغاز اس حال میں ہو کہ ہم گناہوں سے پاک وصاف ہو چکے ہوں۔

شبِ برأت میں قبرستان جاکر دعا کرنے کا حکم:

ایک مسئلہ اس رات قبرستان جاکر اموات کے لئے دعا کرنے کا ہے، کیا یہ درست ہے؟اس کا جواب یہ ہے آپ اس رات جنت البقیع تشریف لے گئے، مرحومین کے لئے دعا فرمائی،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات قبرستان جانا اور اموات کے لئے دعا کرنا درست ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ آپ کا معمول ہی تھا کہ آپ حضرت عائشہ کی باری میں جنت البقیع تشریف لے جاتے،اور مرحومین کے لئے دعا فرماتے، نصف شعبان کی رات تشریف لے جانا یہ بھی اسی معمول کا حصہ تھا، نیز حضرت عائشہ کی ترمذی کی یہ روایت ضعیف بھی ہے،اس لئے اس سے اس رات قبرستان جانے پر استدلال صحیح نہیں ہے،اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ محدثین کے ہاں ضعیف روایت فضائل کے باب میں معتبر مانی جاتی ہے،اس لئے اگرچہ یہ ضعیف ہے، لیکن فضائل کے باب میں اس کو معتبر مانا جاسکتا ہے۔(مرقاۃ المفاتیح:۳/۹۶۹)

رہ گئی یہ بات کہ اس رات قبرستان جانا معمول کا حصہ تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ روایات میں خاص طور پر اس رات مغفرت کا ذکر ہے،اور پھر روایات حسن درجہ کی بھی ہیں،اور کچھ ضعیف بھی،اور ضعیف روایت جب متعدد ہوں تو وہ حجت ہوتی ہیں،اس لئے اس رات مغفرت کا مضمون ثابت ہے، جب یہ مضمون ثابت ہے تو اس رات آپ کا جنت البقیع تشریف لے جانا اسی خاص فضیلت پر محمول ہوگا، جیسا کہ خاص طور پر آپ نے اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے وہاں جاکر مغفرت کی دعا کی۔اس لئے اس کو معمول کا حصہ قرار دے کر قبرستان جانے سے منع کرنا درست نہیں ہے۔

البتہ یہ بات ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ آپ کا یہ عمل چونکہ ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے اس لئے اس میں غلو نہیں کرنا چاہیے، اگر کوئی چلا جائے تو ٹھیک ہے، وہاں جا کر دعا کرے، اور واپس آجائے، نبی سے اتنا ہی ثابت ہے، اگر کوئی نہ جائے تو اس کو برا بھلا کہنا صحیح نہیں ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ اگرچہ اس موقع پر حضور سے صرف استغفار ثابت ہے، لیکن اگر کوئی ایصالِ ثواب کر دے تو اور بھی بہتر ہے، یا تو قرآن کریم کی تلاوت کر کے اس کا ثواب مرحومین کو بخش دے، کیونکہ فی نفسہ مرحومین کے لئے ایصال ثواب کی ترغیب ہے، اور پھر اس رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی رحمت اور توجہ ہوتی ہے اس لئے جب ان کے لئے استغفار کر رہے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ ایصال ثواب بھی کر دیں تو بہتر رہے گا، بلکہ اگر دیکھا جائے تو استغفار بھی ایک معنیٰ میں ایصالِ ثواب ہی ہے، اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شب برأت میں محروم رہنے والے آٹھ لوگ:

اس مبارک رات میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی مغفرت نہیں ہوتی، (۱)ان میں سے ایک مشرک ہے۔ مشرک وہ ہے جو اللہ کی ذات، صفات، افعال، عبادت، قدرت وغیرہ میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ. فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِہٖ اِلَّا لِمُشْرِکٍ اَوْ مُشَاحِنٍ

(سنن ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ: ۱۳۹۰)

بے شک اللہ پاک نصف شعبان کی رات مخلوق پر خصوصی توجہ فرماتے ہیں پھر تمام مخلوق کی مغفرت فرماتے ہیں سوائے مشرک اور کینہ پرور کے"

(۲)دوسرا وہ شخص جس کی مغفرت نہیں ہوتی وہ کینہ پرور ہوتا ہے۔ مسلمان بھی ہو اور دل میں کینہ بھی پالے، ایسا نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ مسلمان اللہ کا محبوب بندہ ہے، اور کون محبوب ہے اور کون محبوب نہیں اس کا علم اللہ ہی کو ہوتا ہے، ممکن ہے کہ جو بندہ کسی سے کینہ رکھتا ہے وہ اللہ کا محبوب ہو، تو یہ اللہ کے محبوب سے کینہ رکھنے والا ہوا، اور اللہ کے محبوب سے کینہ رکھنا کتنی خطرناک اور کتنی بڑی بات ہے! یہ تو اللہ کے محبوب سے دشمنی ہے، اس لئے اللہ پاک کہتے ہیں کہ یہ آدمی خود بھی پسند کے قابل نہیں ہے، پسند کرنا تو بہت دور کی بات ہے یہ بخشے جانے کے قابل نہیں ہے، اس لئے فرماتے ہیں کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی، کیونکہ مغفرت حق تعالیٰ کا خاص انعام ہے، اور انعام دشمنوں اور باغیوں کو نہیں دیا جاتا۔

(۳)تیسرا وہ شخص جس کی اس رات مغفرت نہیں ہوتی قطع رحمی کرنے والا ہے، قطع رحمی کا مطلب یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں سے تعلق کو ختم کر لیا جائے، ان سے سلام کلام بند کر لیا جائے۔

یہ بات ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہاں مغفرت نہ ہونے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے کہ کسی کے ساتھ قطع تعلق سے مغفرت نہیں ہوتی یہ دنیوی اعتبار سے ہے، دنیا کے کسی معاملہ میں جھگڑا چل رہا ہے، کسی بات پر ناراضگی ہو گئی ہے، اور وہ ختم ہی نہیں ہو رہی ہے، اس وقت یہ سزا ہے، ہاں اگر دین کی وجہ سے کسی سے لڑائی ہے کہ یہ بے دین ہے، فاسق ہے، بدمعاش ہے، اس لئے اس سے دوری اختیار کی جارہی ہو تو اس پر کوئی وعید نہیں ہے، بلکہ دینی معاملہ پر ناراضگی حق تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے، ایسی لڑائی اللہ کو پسند ہے، بلکہ یہ کمال ایمان کا درجہ ہے، جس کے بارے میں حدیث میں فرمایا گیا:

"أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ" (سنن ابی داؤد: کتاب السنة: ۴۵۹۹)

اعمال میں سب سے افضل عمل اللہ کے سلسلہ میں محبت کرنا اور اللہ کے لئے نفرت کرنا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے: "مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَ أَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ أَعْطَى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ" (سنن ابی داؤد، کتاب السنة: ۴۶۸۱)

جو اللہ کی وجہ سے محبت کرتا ہے اور اللہ کی وجہ سے بغض رکھتا ہے، اللہ کے لئے دیتا اور اللہ ہی کی وجہ سے روکتا ہے تو وہ شخص کامل مومن ہے۔

اس لئے دینی بنیادوں پر ناراضگی، اختلاف اور قطعِ تعلق منع نہیں ہے، دنیوی معاملات میں اختلاف ہو جانا اور پھر اس کا سلسلہ چل پڑنا منع ہے، بعض مرتبہ لڑائی خاندان میں ہو جاتی ہے، نسبی رشتوں میں ہو جاتی ہے، بہنوں اور بھائیوں میں ہو جاتی ہے، سسرالی اور دامادی رشتوں میں ہو جاتی ہے، اس طرح کے معاملات میں دل کو صاف کرنا ضروری ہے، تین دن سے زیادہ دل میں برائی نہ رہے، تین دن تک انقباض رہے تو اس کی شریعت میں گنجائش ہے۔

حدیث میں ہے: لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ (صحیح بخاری: کتاب الاستئذان: ۶۲۳۷)

کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔

یہ بھی عجیب بات ہے، چونکہ ہم کمزور ہیں، اس لئے حق تعالیٰ نے ہماری طبیعت کی رعایت کرتے ہوئے فرمایا کہ تین دن تک اگر انقباض رہے تو ٹھیک ہے، کیونکہ غم

بھلانے اور معاملہ میں غور فکر کے لئے تین دن کافی ہیں، اگر یہ قطع تعلقی اور جھگڑا تین دن سے بڑھ جاتا ہے تو پھر نفسانی، اور شیطانی مسئلہ بن جاتا ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں ہے کہ اس کو طول دیا جائے۔

یہاں حضور نے مسلمان کو بھائی کہا، بھائی کہہ کر اندر کی شفقت اور محبت کو ابھارا ہے، کہ جیسے آدمی اپنے بھائی سے ہونے والی غلطی کو در گزر کر دیتا ہے اسی طرح انسانی اور ایمانی رشتہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اس لئے ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کرنا چاہیے، بلکہ اگر کوئی حق بھی نہیں دے رہا ہے تب بھی اس کو معاف کر دینا چاہیے، کیونکہ حق چھوڑنے پر بھی بہت فضیلتیں ہیں، ایک حدیث میں ہے:

مَنْ تَرَکَ المِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا (سنن ترمذی: ابواب البر والصلة، بَابُ مَا جَاءَ فِي المِرَاءِ، ۱۹۹۳)

جو شخص جھگڑا چھوڑ دے، دراں حالیکہ وہ حق پر ہو تو اس کے لئے جنت کے وسط میں محل بنایا جاتا ہے۔

جو لوگ حق دینے کے سلسلہ میں مخلص ہیں، لیکن دے نہ سکیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راستہ نکالیں گے، لیکن جو بد معاشی کی وجہ سے نہیں دیتے ہیں ان کے لئے دوسرا انتظام ہے، اللہ کے پاس ہر چیز کا انتظام ہے۔

(۴) چوتھا وہ شخص جس کی اس رات مغفرت نہیں ہوتی والدین کا نافرمان، (۵) پانچواں شراب کا عادی (۶) اور چھٹا پاجامہ اور ازار ٹخنوں سے نیچے رکھنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا:

لَا يَنظُرُ اللّٰہُ فِيهَا إِلىٰ مُشرِكٍ وَلَا إِلىٰ مُشَاحِنٍ وَلَا إِلىٰ قَاطِعِ رَحمٍ وَلَا إِلىٰ مُسبِلٍ وَلَا إِلىٰ عَاقٍّ لِوَالِدَيهِ وَلَا إِلىٰ مُدمِنِ خَمرٍ (شعب الایمان:۳۷۳۷۔الترغیب والترھیب: ۶۲۰)

(شب برأت میں قبیلۂ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد کے بقدر لوگ جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں) لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر رب ذوالجلال اس رات بھی نظر رحمت نہیں کریں گے۔ مشرک۔ مشاحن۔ قطع رحمی کرنے والا۔ ازار اور پاجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنے والا۔ والدین کا نافرمان۔ شراب کا عادی۔

(۷) ساتواں وہ شخص جس کی مغفرت نہیں ہوتی وہ ناحق کسی جان کو قتل کرنے والا ہے۔

ایک روایت میں فرمایا:

يَغفِرُ لِعِبَادِهٖ اِلَّا اثنَينِ مُشَاحِنٌ وَقَاتِلُ نَفسٍ (الترغیب والترھیب: ۶۲۱)

اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات سب کی مغفرت فرماتے ہیں، سوائے دو لوگوں کے۔ (۱) مشاحن یعنی بغض وکینہ رکھنے والا۔ (۲) قتل کرنے والا۔

(۸) آٹھواں شخص جس کی مغفرت نہیں ہوتی وہ زانیہ عورت ہے۔

ایک اور روایت میں ہے: يَنزِلُ اللّٰہُ لَيلَةَ النِّصفِ مِن شَعبَانَ فَيَغفِرُ لِكُلِّ مُسلِمٍ اِلَّا لِمُشرِكٍ اَو مُشَاحِنٍ اَو قَاطِعِ رَحمٍ اَو امرَاَةٍ تَبغِي فِي فَرجِهَا (الترغیب والترھیب: ۱۸۵۸)

اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات ہر مسلمان کی مغفرت فرماتے ہیں، سوائے مشرک ،مشاحن، قاطع رحم، اور زانیہ کے۔

اب اندازہ لگائیے کہ یہ کتنے بڑے جرم ہیں اللہ کی نظر میں کہ ان مبارک راتوں میں بھی جن میں حق تعالیٰ کی خصوصی عنایات ہوتی ہیں، اور عمومی مغفرت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے صدائیں لگاجاتی ہیں حق تعالیٰ ایسے لوگوں کی مغفرت نہیں

فرماتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات گناہ کبیرہ کرنے والے اور اس میں مبتلا رہنے والوں کی مغفرت نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ سچی توبہ نہ کریں، یہ چند باتیں تو وہ ہیں جو احادیث میں بیان کی گئی ہیں، کچھ چیزیں وہ بھی ہیں جو ہمارے معاشرہ میں پائی جاتی ہیں، ان میں سے کچھ درست ہیں تو کچھ نادرست۔

بزرگان دین کے مجرب اعمال کی شرعی حیثیت:

پھر بزرگوں کے بھی اپنے معمولات ہوتے ہیں، جیسے ایک عمل یہ ہے کہ عمر میں برکت کی نیت سے اس رات سورۂ یٰس پڑھی جائے، اور دو رکعت نماز ادا کی جائے، یا نماز ہی میں سورۂ یٰس پڑھی جائے، اور پھر اس کے بعد دعا کی جائے، اسی طرح رزق میں برکت کی نیت سے یٰس پڑھی جائے اور دعا کی جائے، اور پھر استغفار اور مصائب بیماریوں اور پریشانیوں سے عافیت کے لئے یٰس پڑھ کر دعا کی جائے، کیونکہ حاجتوں کے پورا ہونے میں نمازوں کی بڑی اہمیت ہے، سورۂ یٰس کی تلاوت کی برکت سے بھی دعائیں اور حاجتیں پوری ہوتی ہیں، اور پھر اس رات حق تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا اعلان ہوتا ہے، رزق اور مصائب و پریشانیوں سے عافیت کے لئے حق تعالیٰ کی جانب سے ندا لگائی جاتی ہے، موت وحیات کے فیصلے ہوتے ہیں، اس لئے بزرگوں نے ایک عمل اپنی زندگیوں میں یہ بتلایا ہے کہ ہر مقصد کے لئے دو رکعت نماز ادا کی جائے، یس پڑھی جائے، اور دعا کی جائے، اور پھر اس کے برکات اور ثمرات بھی دیکھے ہیں، تو کیا بزرگوں کے ان اعمال کو کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ اعمال قرآن وسنت سے ثابت نہیں، بزرگان دین سے منقول ہیں، اس لئے اگر کوئی ان اعمال کو ثابت سمجھ کر یا سنت سمجھ کر کرتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے، بدعت ہے، لیکن اگر کوئی یہ جانتا ہے کہ یہ قرآن و سنت سے ثابت نہیں

ہے، لیکن چونکہ یہ مبارک رات ہے، مانگنے کی رات ہے، بزرگوں کا مجرب عمل ہے، نماز پڑھ کر اور یٰس پڑھ کر دعا کرتے ہیں تو حق تعالیٰ ضرور اس کو قبول فرماتے ہیں، اس لئے اس نیت سے پڑھتا ہے تو یہ درست ہے۔

شب برأت اور صلاۃ الحاجۃ:

اس کے علاوہ کوئی خاص نماز شب برأت کیلئے آپ نے نہیں سکھائی ہے، لیکن چونکہ احادیث میں یہ مضمون ہے کہ صلوۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا کی جاتی ہے تو قبول ہوتی ہے،

مَنْ تَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ يُتِمُّهُمَا أَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا سَأَلَ مُعَجِّلاً أَوْ مُؤَخِّرًا (مسند احمد: ۲۷۴۹۷)

جو شخص وضو کرے اور کامل وضو کرے، پھر کامل طور پر دو رکعت نماز ادا کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کو جو مانگے عطا فرماتے ہیں، چاہے جلدی یا تاخیر سے۔

ایسے ہی حدیث شریف میں ہے کہ حاجات کے لئے یس شریف پڑھ کر دعا کی جائے تو اللہ پاک اس کی برکت سے حاجتوں کو پورا کر دیتے ہیں۔ (شعب الایمان: ۲۲۶۵)

اسی لئے بزرگان دین کا معمول تھا کہ دو دو رکعت پڑھتے تھے اور اپنی ایک ایک حاجت کو مستقل مانگتے تھے، اس لئے ہم بھی سنت اور ثابت سمجھے بغیر اس کو کرلیں تو اس کی گنجائش ہے۔ ویسے یہ بھی درست ہے کہ آپ صرف دو رکعت نماز پڑھیں اور تمام حاجات کیلئے دعا کریں۔

مبارک راتوں میں اجتماعی عبادات کی شرعی حیثیت

کچھ لوگ اس رات اجتماعی عبادات کا اہتمام کرتے ہیں، یہ درست نہیں ہے، اس طرح کے مواقع میں انفرادی عبادات کا اہتمام کرنا چاہیے، اجتماعی طور پر سب قبرستان

جاکر ایصالِ ثواب کررہے ہیں، وہاں اجتماعی دعائیں کررہے ہیں، اور دیگر اجتماعی خرافات انجام دی جارہی ہیں، یہ سب غلط ہے، آپ تنہا جائیں، مرحومین کے لئے دعا کریں، ایصالِ ثواب کریں، آجائیں، ایسے ہی بعض لوگ اجتماعی طور پر تہجد کا اہتمام کرتے ہیں، یہ بھی شرعاً پسندیدہ نہیں ہے، بغیر تداعی اور بلاوے کے دو تین ساتھی جمع ہوگئے نماز پڑھ لی، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، آپ نے تہجد کی نماز حضرت ابن عباس کے ساتھ جو ادا فرمائی تھی، وہ اسی حالت پر محمول ہے، لیکن باضابطہ دعوت دے کر باجماعت نماز کے اہتمام کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔

نفل عبادات خلوت میں پسندیدہ ہیں، اللہ کے قرب خاص کا ذریعہ ہیں، اس لئے ان عبادات کو تنہائی اور یکسوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ تنہائی میں حق تعالیٰ سے مناجات کریں، استغفار کریں، موقع ہو تو صلوۃ التسبیح پڑھیں، صلوۃ التوبہ پڑھیں، صلوۃ الحاجۃ پڑھیں، درود شریف بھی پڑھیں۔ اور انفرادی طور پر ان عبادات اور دعاؤں کا اہتمام کریں، اور ہم بھی یہاں کوئی اجتماعی کام نہیں کرتے، ہمارا سالانہ جلسہ ہوتا ہے، اس میں فنڈ ریزنگ کا کچھ اہتمام کیا جاتا ہے، ہر سال ہم نے یہ ایک معمول بنایا ہوا ہے، جو ہم سے تعلق رکھنے والے اور محبت کرنے والے ہیں وہ آتے ہیں، کچھ سننے سنانے کا معمول ہے، اور پھر سب اپنے طور پر انفرادی معمولات میں لگ جاتے ہیں۔

مبارک راتوں میں بدعات:

ہمارے ہاں ان مبارک راتوں میں بہت ہی بے اعتدالی پائی جاتی ہے، کچھ لوگ اس رات مختلف قسم کی نمازیں ادا کرتے ہیں، جن میں مخصوص سورتیں مخصوص تعداد میں پڑھی جاتی ہیں، ان کے نظریہ کے مطابق بعض نمازیں وہ ہوتی ہیں جو زندگی کی ساری

نمازوں کو معاف کر دیتی ہیں،اور بعض نمازوں کے خاص خاص فضائل بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ سب غلط ہیں،اسی طرح کچھ لوگ ایسی مبارک راتوں میں پٹاخے چھوڑتے ہیں، چراغاں کر رہے ہوتے ہیں، عیدیں منائی جارہی ہوتی ہیں، ہدیےاور تحفے دئے جاتے ہیں،میلے لگائے جاتے ہیں،ایک دھوم دھام ہوتی ہے،اسی طرح ایصال ثواب کا ایک اجتماعی اہتمام ہوتا ہے ،فی نفسہ تو یہ محمود اور مطلوب ہے، لیکن لوگوں نے اس میں بھی بدعات اور خرافات پیدا کر دی ہیں، جیسے ایک تصور یہ قائم کیا گیا کہ شب برأت میں روحیں گھروں کو آتی ہیں،اور اسے روحوں کی عید کہتے ہیں، اور ان کے لئے گھروں کو صاف کرتے ہیں،آتش بازی کرتے ہیں، پھر اس میں دو قسم کے لوگ ہیں، کچھ تو وہ ہیں کہ جو ان کے لئے کھانے پکاتے ہیں،اور مرحومین کی من پسند غذائیں بنانے کا اہتمام ہوتا ہے، مختلف قسم کے حلوے اور میٹھے بنائے جاتے ہیں، مرحومین کا استقبال ہوتا ہے، ان کے لئے قیام ہوتا ہے،ان کا احترام ہوتا ہے،اور ان کے بارے میں من گھڑت نظریات قائم کئے ہوئے ہیں،اور چونکہ ان کے آنے کا تصور قائم کیا گیا تو اب ان کے لئے ایصال ثواب کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

کچھ لوگ وہ ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ روحوں میں اچھی بھی ہوتی ہیں،اور بری بھی، لہذا ان کو گھر میں آنے ہی نہیں دینا چاہیے، چنانچہ وہ اس کے لئے پٹاخے پھوڑتے ہیں،تاکہ وہ بھاگ جائیں، حالانکہ پٹاخے پھوڑنے اور چھوڑنے کا عمل غیر مسلموں کا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ یہ ان کی مشابہت ہے، شیطان نے ان کو پتہ نہیں کیا پٹی پڑھادی وہ لوگ اپنے پیسوں کو آگ لگاتے ہیں،اور وہ اللہ کی نعمت کی اس قدر ناشکری کرتے ہیں، چونکہ ہمارے مسلمانوں کا مزاج یہ ہے کہ ہم کسی سے کم نہیں،اس لئے انہوں نے

بھی ان کا دیکھا دیکھی پٹاخے پھوڑنا شروع کر دیا، بہت سے رسوم ورواج ہم میں اس طرح داخل ہو گئے، اب علماء روکتے ہیں تو پھر مسئلے کھڑے ہوتے ہیں، یہ سب چیزیں بدعات اور خرافات میں سے ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے، یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ کچھ چیزیں غلط ہوتی ہیں، اور بدعت بھی ہوتی ہیں، اور کچھ چیزیں غلط ہوتی ہیں، لیکن بدعات نہیں ہوتیں، بعض چیزیں رسومات کہلاتی ہیں، وہ بھی غلط ہوتی ہیں، لیکن بدعات نہیں کہلاتیں، ان میں فرق یہ ہے کہ بدعات میں عبادت کا رنگ ہوتا ہے، بدعات کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ عبادت کا رنگ لئے ہوئے ہوتی ہے، اس پر دین کا لیبل لگا ہوا ہوتا ہے، فی نفسہ عمل برا نہیں ہوتا، اس میں کوئی خرابی نہیں ہوتی، اس پر دین کا لیبل لگانے سے اس کو بدعت کہا جاتا ہے، جیسے اگر آپ حلوہ پکا کر کسی کو کھلا دیں، اس کا ایصال ثواب کر دیں تو برا نہیں ہے، اس پر برکت کی نیت سے قرآن پاک پڑھ دیں تو برا نہیں ہے، لیکن جب آپ حلوہ بنائیں، اس کو دن کے ساتھ مخصوص کر لیں، وقت کے ساتھ خاص کر لیں، اس پر ثواب کے فضائل گھڑ لیں، اور پھر اس کو لزوم کے ساتھ کرنے لگیں، نہ کرنے والوں کو برا بھلا کہنے لگیں اور پھر یہ کہیں کہ یہ ثابت ہے، تو علماء یہی کہیں گے کہ جب آپ اس کو ثابت کہتے ہیں تو بتائیے کہ اس کا ثبوت کہاں ہیں؟ جب اس کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا تو پھر یہ بدعت کہلاتا ہے، بدعت کے معنٰی دین میں نئی پیدا شدہ چیز کے ہیں، اور ظاہر ہے کہ آپ اس کو دین کہہ رہے ہیں، اور اس کے دین ہونے کا قرآن وحدیث میں کوئی تذکرہ نہیں، اس لئے یہ بدعت کہلائے گی، جو ظاہر میں تو نیک عمل کی شکل میں ہے، لیکن حقیقتاً گناہ ہے۔

بدعت سنت کا مقابل ہے:

علماء نے لکھا ہے کہ بدعت سنت کی ضد ہے، جیسے شرک توحید کی ضد ہے، جیسے مشرک کو اللہ دھتکارتے ہیں اسی طرح بدعتی کو نبی دھتکاریں گے، حدیث میں ہے کہ محشر میں

کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے، لیکن ان کو وہاں سے دھتکارا جائے گا، جب میں ان کو دیکھوں تو کہوں گا کہ:

إِنَّهُمْ مِنِّي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ: سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي (صحیح بخاری: کتاب الرقاق: ۶۵۸۴)

وہ مجھ سے ہیں، (یعنی میری امت ہیں، ان کو لاؤتا کہ میں انہیں بھی حوض سے سیراب کروں) تو فرشتے کہیں گے کہ آپ نہیں جانتے ہیں کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا ہے؟ حضور نے فرمایا کہ میں اس قت انہیں کہوں گا کہ دوری ہو دوری ہو ان لوگوں کے لئے جنہوں نے میرے بعد (دین کو) بدل دیا تھا۔

علماء کہتے ہیں کہ شرک میں اللہ پر الزام ہے اور بدعت میں نبی پر الزام ہے، نعوذ باللہ من ذالک۔ آپ کہیں گے کہ بدعت میں نبی پر کیسے الزام ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بدعتی جب اپنی طرف سے پیدا کردہ چیز کو سنت کہتا ہے، یا دین کہتا ہے تو گویا وہ نبی پر الزام لگاتا ہے کہ نبی نے دین کی کچھ باتیں چھوڑ دی ہیں، اور اس کو امت تک نہیں پہچایا ہے، اگر نبی مکمل دین پہنچا چکے تو اب اس کی کیا ضرروت ہے؟ چونکہ آپ نے یہ چیزیں امت کو نہیں پہنچائی ہیں اس لئے وہ اس کو پہنچاتے ہیں، اس طرح بدعتی قولا نہیں بلکہ عملا نبی پر الزام لگا رہا ہوتا ہے۔

بدعتی کی تعظیم اسلام کو منہدم کرنے کے مترادف ہے:

اسی وجہ سے بدعتی کی تعظیم جائز نہیں ہے، اس کا اکرام نہیں کر سکتے، آپ نے فرمایا:

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ (شعب الایمان: ۹۰۱۸)

جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تو اس نے اسلام کو منہدم کرنے میں اعانت کی۔

اس لئے میرے دوستو یہ بات ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ عملِ بدعت فی نفسہ برا نہیں ہوتا، لیکن جب اس کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، اور اس پر دین یا سنت کا لیبل لگا دیا جاتا ہے، جس کا سنتوں سے یا سنت کے اصولوں سے کوئی ربط اور تعلق نہیں ہوتا تب وہ بدعات میں شمار ہوتا ہے، اور پھر ایسا شخص وعیدوں کا مستحق ہوتا ہے۔

بدعت کے مقابلہ میں سنت ہوتی ہے، اور سنت دو چیزوں کا نام ہے، ایک تو وہ قول یا وہ کام جو آپ نے کیا ہو، وہ سنت کہلاتا ہے۔ جیسے آپ نے مسواک کی، کھانا ایسے کھایا، پانی ایسے پیا وغیرہ، دوسرے یہ کہ آپ نے کچھ اصول بیان فرمائے ہیں جو مجتہدین سمجھتے ہیں، ان اصولوں کی روشنی میں وہ لوگ کچھ باتیں مستنبط کرتے ہیں، جو بظاہر حدیث میں نظر نہیں آتیں، تو محض نہ ہونے کی وجہ سے وہ بدعت کے دائرہ میں نہیں آتی، اس لئے وہ ناجائز نہیں ہوتیں۔

ثابت اعمال کے درجوں کا لحاظ بھی ضروری ہے:

پھر ایک مرحلہ اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ جو چیز ثابت ہوتی ہے تو اس کے بھی الگ الگ درجات ہوتے ہیں، اس میں یہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ جو چیز جس درجہ میں ثابت ہے اس کو اسی درجے میں رکھا جائے، اس میں کمی زیادتی نہ کی جائے، اگر اس میں کمی زیادتی کی جائے تو وہ غلط ہوتی ہے، جیسے نمازوں سے پہلے اور بعد کی سنتیں ہیں، کچھ سنتیں موکدہ ہیں، کچھ سنتیں غیر موکدہ ہیں، ظہر کی فرض سے پہلے چار رکعت سنت موکدہ ہیں، اور عصر کی فرض سے پہلے چار رکعت سنت غیر موکدہ ہیں، اور فجر کی فرض سے پہلے بھی دو رکعت سنت موکدہ ہیں لیکن اس میں اور بھی تاکید ہے، ہیں تو سبھی سنت ، لیکن سب کا درجہ ایک نہیں، اب عصر کی سنتوں کا جو درجہ ہے اس میں کمی زیادتی درست نہیں ہے، اس کو آپ سنت موکدہ نہیں کہہ سکتے، ظہر اور فجر سے قبل کی سنتوں کو

غیر موکدہ نہیں کہہ سکتے، ظہر سے پہلے کی سنتیں اگرچہ موکدہ ہیں لیکن ان کو فجر کی سنتوں کا درجہ نہیں دے سکتے، اس کی اہمیت زیادہ ہے۔ اسی طرح دیگر اور بھی سنتوں میں اس پہلو کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔

ایک بات اور بھی ہم کو سمجھنی چاہیے کہ بہت سے ناخواندہ بہت سی چیزوں پر بدعت ہونے کا حکم لگاتے ہیں، یا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اور اپنی گمراہی چھپانے کے لئے بہت سی چیزوں کو بدعت کہتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ عوام باریکیوں سے واقف نہیں ہوتی، اس لئے وہ بھی ان کو بدعت سمجھنے لگتی ہے، اس لئے یاد رکھنا چاہیے کہ بدعت وہ ہوتی ہے جس کے بارے میں معتمد اہلِ حق علماء فیصلہ فرمائیں کہ یہ بدعت ہے، عوام اور غیر عالم یا اہل باطل اگر کسی چیز کو بدعت کہیں تو وہ بدعت نہیں ہوگی، کیونکہ بدعت ایک فنی اور اصطلاحی چیز ہے، ہر کس و ناکس اس کا حکم نہیں لگا سکتا، جو لوگ ائمہ کرام کو نہیں مانتے، تقلید کے قائل نہیں ہیں وہ کتنی ہی چیزوں کو بدعت کہتے ہیں، حالانکہ ان نادانوں کو یہی نہیں معلوم کہ بدعت کسے کہتے ہیں؟ اور سنت کسے کہتے ہیں؟ اور ان کے درمیان کیا فرق ہے؟ بدعت کا تعلق ہمیشہ دین کے اندر کئے جانے والے اعمال میں سے ہوگا، دین کے لئے کئے جانے والے اعمال سے نہیں ہوگا، یہ ایک اصول ہے، ذہن میں رکھ لیجئے، دین کیلئے کے جو کام کئے جاتے ہوتے ہیں ان کو بدعت نہیں کہا جاتا، دین میں جو کام کئے جاتے ہیں انہیں بدعت کہتے ہیں، اب دین کیلئے کونسی چیز ہے؟ اور دین میں کونسی چیز ہے؟ اس کا فیصلہ علماء فرماتے ہیں، اس معاملہ میں نہ جاہل مشائخین کی بات سننی ہے، نہ کسی بدعتی کی، امت کو یہ جھانسہ دیا جاتا ہے کہ یہ سب حضور کی محبت میں ہو رہا ہے، جو اس طرح نہ کرے اس کو حضور سے محبت نہیں ہے تو یاد رکھیں کہ محبت کا یہ کوئی اصول نہیں ہے کہ محبت میں بدعت نہیں ہو سکتی، بلکہ اگر دیکھا جائے تو بدعات محبت میں

ہی غلو کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے محبت میں بھی حد اور اعتدال میں رہنے کا حکم ہے، اس سے تجاوز جائز نہیں ہے۔

غرض یہ مبارک رات ہے، اس میں استغفار اور دعاؤں کا اہتمام کریں، سچی توبہ کریں، حق تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں، بدعات اور خرافات سے بچیں، حق تعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

RAHMAT-E-ALAM FOUNDATION

رحمتِ عالم فاؤنڈیشن

رحمتِ عالم فاونڈیشن بیک نظر

دار العلوم شکاگو: الحمد للہ اس کے تحت شعبۂ حفظ، ویکڈیز اور ویکینڈ پر اردو اور انگریزی زبان میں شعبۂ عالمیت ، شعبۂ افتاء اور مکاتب کی تعلیم کا نظم ہے۔

شریعہ بورڈ آف امریکہ: اس کے تحت درجِ ذیل خدمات جاری ہیں ۔

- دار الافتاء: بالمراست، فون اور ویب سائٹ پر سوالات کے جوابات۔
- دار القضاء: صلح ،خلع،طلاق ،بزنس اور دیگر معاملات کی قرآن و سنت کی روشنی میں رہنمائی۔
- شعبۂ نشریات : افادات اکابر اور حسب ضرورت مستند رسائل و کتب کی ترتیب۔
- حلال سرٹیفیکیشن : عملِ ذبح کے مشاہدے اور اجزائے مصنوعات کی تحقیقِ شرعی کے بعد سرٹیفیکٹ کا اجراء۔
- رویتِ ہلال: ہر ماہ رؤیت کا اہتمام اور اطلاع۔
- پروگرامز: درس قرآن، درس حدیث ، مجلس تصوف،ماہانہ اور حسب موقع پروگراموں کا انعقاد۔
- شاخیں: بحیثیت مجموعی ہندوستان وامریکہ میں تا حال 8 شاخوں کا قیام۔

گائیڈنس ایجوکیشنل اکیڈمی : دینی ماحول میں عصری تعلیم کا نظم۔

مرکز(شکاگو) کی خدمات کے لئے 130 سے زائد افراد مصروف کار ہیں،ادارہ کے حق میں دعاؤں کے ساتھ مالی تعاون کی درخواست ہے۔

General Donations

Zelle